خونخوار بلائیں

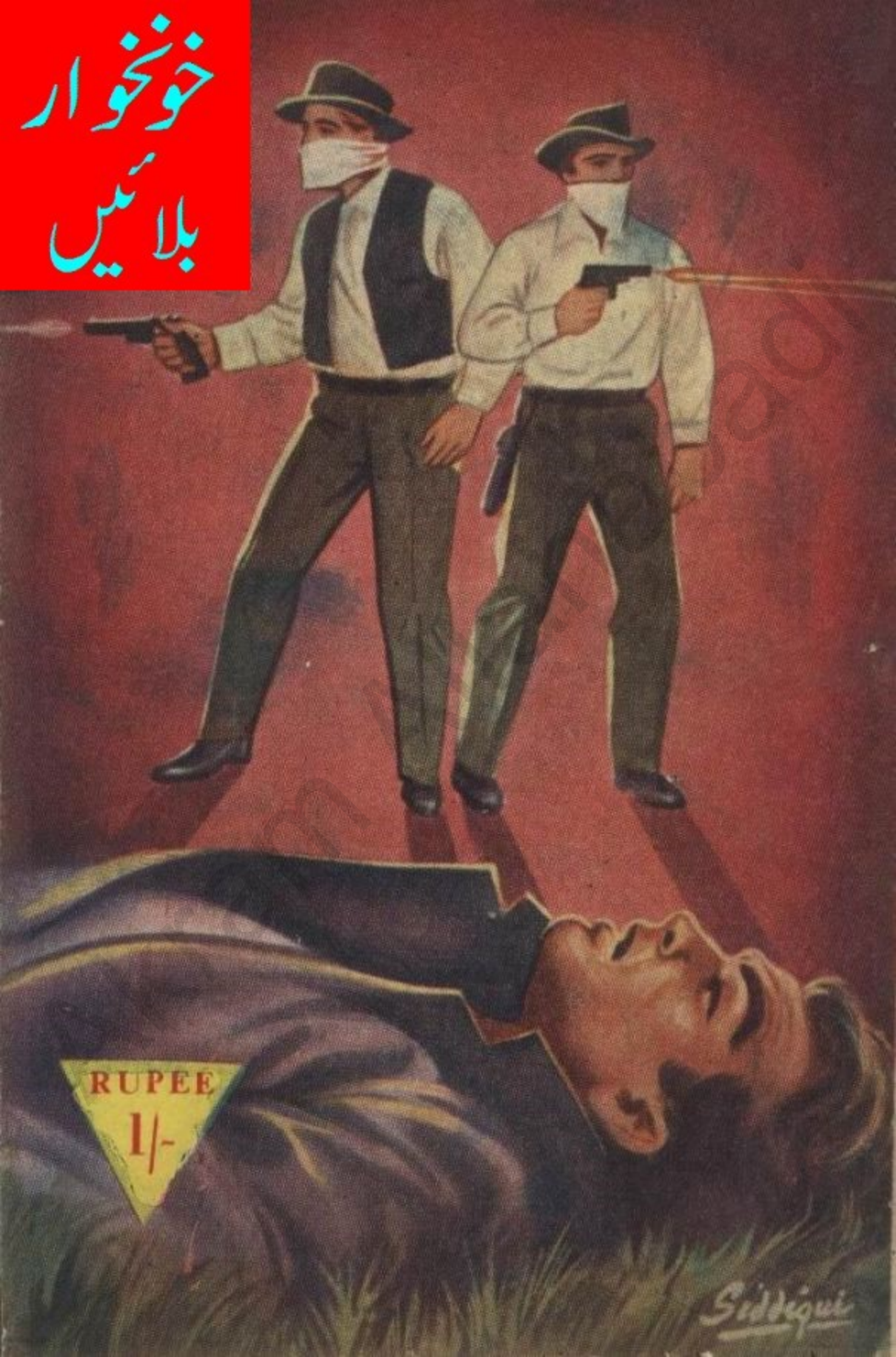

جاسوسی دائرہ سیریز

خونخوار بلائیں

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

عجیب واردات

مجمع کے قریب خان نے بریک لگا کر کار روک دی۔

لوگ خوف وتعجب کی نظروں سے زمین پر پڑی کسی چیز کو دیکھ رہے تھے۔

یہ ایک ہیبتناک اور بگڑی ہوئی انسانی لاش تھی۔

''چلیے، یہاں بھی آخر آپ کی دلچسپیاں شروع ہوگئیں۔'' بالے سے آکر نہ رہا گیا۔

''تم اتنے بے حس کیوں ہو گئے ہو آخر۔'' خان نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔

''اس لیے کہ ہم یہاں سالوں کی تھکا دینے والی محنت کے بعد آرام وتفریح کی نیت سے آئے تھے۔''

''آرام تو تم کر رہی رہے ہو، میری تو تفریح بس کچھ اس قسم کی ہوا کرتی ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''خدا خان صورت بنائے، خان سیرت نہ بنائے کسی کو۔''

''کیا مطلب؟'' خان مسکرایا۔

''خونخوار، خونخواہ، خواہ مخواہ وغیرہ۔''

''مگر خان جواب دینے کی بجائے بڑی سنجیدگی سے اس لاش کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ لاش یقیناً کسی جوان آدمی ہی کی تھی، لیکن اس کا چہرہ اور جسم اس بری طرح نچا ہوا تھا کہ اس کی شناخت ممکن نہ رہ سکی تھی۔ جیسے کسی خونخوار درندے نے اسے چیر پھاڑ ڈالا ہو۔

مجمع کے آدمیوں نے ان کی طرف توجہ بھی نہ دی، لیکن خان کے کان ان کی سرگوشیاں سنے بغیر نہ رہ سکے۔

''خدا بچائے اس عذاب سے۔'' ایک عبرت زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

Akram Allahabadi

''اور حیرت تو یہ ہے کہ آج تک کسی نے اس بلا کو دیکھا بھی نہیں۔'' دوسرے نے کہا۔

''دیکھنے والے زندہ ہی کب رہتے ہیں جو آ کر تمہیں بتا جائیں۔'' قریب سے ایک نوجوان آدمی بول اٹھا۔

''کیا بات ہے یہ؟'' خان نے ان میں سے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کیا۔ ''کس کی لاش ہے یہ؟''

''خدا جانے، صاحب۔ ایسی لاشوں کی پہچان تو پولیس بھی بڑی مشکل سے کر پاتی ہے۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

''لاشوں...؟ تو کیا یہاں اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں؟''

''ہوئے ہیں؟ ارے صاحب، کئی سالوں سے ہوتے رہتے ہیں۔ بیچ میں سال دو سال کچھ کچھ امن ہو گیا تھا۔ ابھی اس سال سے پھر شروع ہو گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''آپ شاید اس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں؟'' ایک مہذب قسم کے آدمی نے قریب آ کر ان سے سوال کیا۔

''ہاں، ہم اس اسٹیٹ میں پہلی بار آئے ہیں۔''

''اوہ، بڑی حیرتناک وارداتیں ہوتی ہیں، صاحب۔ بس یہی حشر ہوتا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''اجنبیوں کا یا شہر کے لوگوں کا؟'' خان مسکرایا۔

''ایسا کوئی امتیاز تو نہیں پایا گیا، بس خدا جانے کس پر، کب اور کہاں وہ بلا نازل ہو جاتی ہے۔''

''تو بھئی، یہ کسی بلا کی کارفرمائیاں ہیں؟'' بالے بیچ میں بول اٹھا۔

''جی ہاں، کئی سالوں سے یہ بلا اسی شہر پر ٹوٹی ہوئی ہے۔ بس اچانک ہی ایسی

لاشیں ملا کرتی ہیں۔ ہر دو چار مہینے میں ایک واقعہ کا ہونا تو لازمی ہے اور کبھی کبھی تو مہینے میں دو دو بھی ہوتے ہیں۔'' اس آدمی نے بتایا۔

''آپ ان حالات سے زیادہ واقف معلوم ہوتے ہیں۔'' خان نے اس سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بدقسمتی سے میں یہاں کے ایک سوتے جاگتے اخبار کا مقامی رپورٹر ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میرے اخبار کا نام 'نسیم' ہے۔ اور خاکسار کو اشہر کلیم کہتے ہیں۔''

''اشہر۔'' بالے نے اس کا نام دہرایا۔ ''ماشاءاللہ، نام تو ایسا ہے جیسے کسی کو چھینک آئی ہو۔'' وہ بولے بغیر نہ رہا۔ خان اسے گھورنے لگا، مگر رپورٹر مسکرا دیا۔

''ہاں، تو آپ ان واقعات کے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟'' خان مجمع سے پیچھے ہٹ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ شہر میں ایک بلا آتی ہے۔ کب آتی ہے، کہاں سے آتی ہے، اس کی شکل کیسی ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ مگر جو اس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔'' وہ بے تکلفانہ انداز میں بتانے لگا۔

''تو یہ الف لیلیٰ کا کوئی شہر ہے گویا۔'' بالے نے تبصرہ کیا۔

''یونہی سمجھ لیجیے۔ ایک واقعہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے ہیں آپ۔'' وہ بولا۔

''کیا یہاں کی پولیس نے ان واقعات کی چھان بین نہیں کی کوئی؟'' خان نے سوال کیا۔

''وہ تو تھک ہار کر بیٹھ رہی ہے اور پوسٹ مارٹم رپورٹیں یہی بتاتی ہیں کہ ایک یا ایک سے زیادہ خونخوار درندوں نے مرنے والے کو چیر پھاڑ ڈالا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تو کیا یہ ضروری ہے کہ درندے لاش کا چہرہ بھی بگاڑ دیں؟'' بالے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''بعض لاشیں بغیر بگڑے چہروں کے بھی ملی ہیں۔آپ ابھی سر کھپا رہے ہیں اور یہاں تو فنا فی الفور وفکر ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے کہ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات رہا ہوگا؟''

''آپ کافی سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔'' رپورٹر مسکرایا۔

''یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کی ملاقات ایک شریف شہری کے بھیس میں چچا حاتم طائی سے ہوگئی ہے۔یہ ضرور آپ کا سوال حل کر ڈالیں گے۔'' بالے نے خان کی طرف اشارہ کیا۔

''جسے پولیس حل نہ کر سکی ہو اس کے لیے آپ لوگ وقت ضائع کر کے کیا کریں گے۔خیر مجھے اجازت دیجیے، مجھے اپنے اخبار کی رپورٹ بنانی ہے۔'' اشہر کلیم نے اجازت طلب کی۔

''شاید کسی وقت مجھے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے آپ کی ضرورت پڑے، اگر حرج نہ ہو تو اپنا پتا نوٹ کرا دیں۔'' خان نے اس سے کہا اور وہ اس پر کچھ سوال کرنے ہی والا تھا کہ بالے بول پڑا۔

''یہ دراصل آپ یا اس پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔'' جواب میں خان نے بالے کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے بات کچھ زیادہ بری نہ کہی گئی ہو۔

''کیا میں آپ کا اسمِ گرامی معلوم کر سکتا ہوں؟'' رپورٹر نے خان سے پوچھا۔

''خان چق چق زئی، افغانستان کے مشہور ادیب و سیاح۔'' بالے کے بول پڑنے پر خان کو منہ سکوڑ کر خاموش ہو جانا پڑا۔دراصل وہ خود بھی اس وقت زیادہ سنجیدہ موڈ میں نہ تھا۔

''کیا واقعی؟'' اشہر کلیم نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''درایں چہ شک۔ابنِ بطوطہ کے بعد یہی دوسرے مشرقی سیاح گزرے ہیں، آئی ایم ساری، گزر رہے ہیں۔'' بالے نے ہی جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''تب تو میں خود آپ سے ملاقات کروں گا، آپ اپنا پتا بتا دیجیے۔'' اشہر نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کے دفتر میں اطلاع بھجوا دیں گے۔'' خان نے بات مختصر کر دی۔

بہر حال اس کے رخصت ہونے سے پہلے ہی بالے کی ضد سے مجبور ہو کر خان کو کار اسٹارٹ کر دینی پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور شوکت ان کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ شوکت کی دعوت پر ہی وہ بمبئی سے یہاں دو مہینے کی رخصت پر آئے تھے۔ شوکت بھی کئی سال بعد یہاں آرام کی ہی غرض سے آیا تھا۔ یہاں اس کی اپنی کوٹھی اور ملازم پہلے سے موجود تھے۔ بمبئی میں وہ جس قدر کاروباری آدمی نظر آتا تھا، یہاں اتنے ہی جاگیر دارانہ ٹھاٹ تھے۔ خوشامدی مصاحب روز حاضری دینے لگے تھے اور دور دراز کے رشتے داروں نے اپنے پہنچنے کی اطلاعات بھیج دی تھیں، مگر اسے ایسے رشتے داریوں کا تلخ تجربہ تھا، اس لیے اس نے اپنے توشہ خانے کے داروغہ کو پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ کوٹھی میں کسی کو ٹھہرایا نہ جائے، بس دعوت کھلاؤ اور رخصت۔

خان اور بالے کی خاطر مدارات میں کوٹھی کا سارا اسٹاف ہر وقت بچھا رہتا۔ کیونکہ وہ لوگ دیکھ چکے تھے کہ شوکت میاں خود خان صاحب کے سامنے کان دبائے رہتے ہیں اور اس کی ہدایت بھی یہی تھی کہ ان مہمانوں کو ذرہ بھر شکایت نہ ہونے پائے۔

خدا کا شکر تھا کہ پری بیگم اور ان کے والدِ نامدار یہاں اس کے ساتھ نازل نہیں ہوئے تھے، ورنہ شوکت کی ساری تفریح مٹی میں مل جاتی۔ خان بمبئی سے اپنی کار بھی ساتھ لایا تھا اور اکثر جب صبح کے ناشتے کے بعد شوکت کو اس کے یہاں پرانے واقف کار گھیر لیتے تو خان انھیں ان سے بے تکلفانہ گفتگو کے کرنے کا موقع دے کر بالے کو ساتھ لے کر اپنی کار پر گھومنے

نکل جانا۔آج وہ بھی ناشتے کے بعد ہی چلے گئے تھے، کیونکہ خان کو یہاں کے مقامات کی سیر کرنی تھی اور واپسی ہوئی تو سونے کے ہی وقت۔

''اے لو، کاں غائب ہو گئے تھے آپ لوگ؟''شوکت نے ان کی شکل دیکھتے ہی پوچھا۔

''ہم لوگ قصہ حاتم طائی کا تیسرا سوال حل کرنے گئے تھے۔''بالے نے بتایا۔اور خان مسکراتا ہوا کپڑے تبدیل کرنے کے لیے اندر چلا گیا۔

''کائے کا سوال حل کرنے؟''شوکت کی سمجھ میں نہ آیا۔

''تیسرے درجے کا۔''

''تیل لینے گیا تمہارا سوال موال، اپنی تو آنتیں قل ہو اللہ پڑ رئی ہیں اور آپ کو سوال جواب کی پڑی ہے۔''

''ابے نہیں، تمہاری وہ بلا مل گئی تھی۔''

''ابے تم خد ہو گے، اور کائے کی بلا مل گئی تھی؟''

''وہ جو آدمیوں کو نوچ کھسوٹ ڈالتی ہے۔''

''اررر میاں، وہ، اللہ توبہ، استغفار توبہ۔میاں، لاکھ لاکھ شکر کرو جو زندہ لوٹ آئے۔''شمو جلدی سے پیچھے سے بال اٹھا۔شوکت پلٹ کر سوالیہ انداز میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''ہاں میاں۔''شمو اب شوکت کو بتانے لگا۔''پچھلی مرتبہ بھی جب میں آپ سے چھٹی لے کر یہاں آیا تھا، میں نے اس کا ذکر سنا تھا، یہاں نہ جانے کیسی بلا ہے، کاں سے آتی ہے، بس جو مل گیا اسے چیر پھاڑ ڈالتی ہے۔''شمو بتانے لگا۔

''اور لو، سالے اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ابے کوئی شیر میر، تیندوا میندوا ہوگا۔''شوکت نے اپنی دانست میں شمو کا مذاق اڑایا۔

''نہیں، میاں، اللہ قسم، سارے شہر سے پوچھ لو، وہ تو نہ جانے کونسی بلا ہے۔ منشی حسین خاں کے تالاب کا بھوت بھی اتنا ڈراؤنا نہیں ہوگا، جتنی وہ ہے۔ میں نے تو ایک لاش دیکھی تھی، جیسے چیل کوؤں نے نوچی ہو۔''

'' چل چل، رہنے دے اپنی فرقہ پرستی...نہیں ...یانی کہ ویم پرستی، سالے۔ یہ بلاؤں کا زمانہ ہے گویا۔یانی طلسم ہوش دل رُبا کا... ہشت...''شوکت نے اسے جھاڑ دیا۔

''مگر ہم نے بھی لوگوں سے ایسا ہی کچھ سنا ہے۔''بالے سنجیدگی سے بولا۔

''سنا ہے؟ مگر تمہیں تو ملی تھی؟ پھر چوکھٹ نہیں دیکھ لیا اس کا؟''شوکت نے اس سے سوال کر ڈالا۔

''ملی نہیں، بلکہ اس کی نوچی ہوئی لاش دیکھی تھی ہم لوگوں نے۔''

''خدا خیر کرے، تم پولیس والے سالے یہاں بھی لاشیں ڈھونڈنے لگے۔ وہ جو کہا ہے کسی شائر نے کہ برسات کے اندھے کو سبز ہ نظر آتا ہے۔''

''اچھا بس، پہلے کھانا، بعد میں تمہاری شائری سنیں گے۔''

''کپڑے تو بدلو، میاں خاں پہلے۔کھانا ٹیبل پر لگ رہا ہے جب تک۔''

☆☆☆☆☆☆

مگر کھانے کے دوران ہی وہ ذکر دوبارہ چھڑ گیا۔شمو خدمت کے لیے ٹیبل کے نزدیک ہی موجود تھا اور اسی نے اپنے جوشِ تجسس کو ضبط نہ کرتے ہوئے یہ تذکرہ بالے سے چھیڑا تھا، وہ اس کے منہ سے لگا ہوا تھا۔

''میاں آپ نے خالی خولی لاش ہی دیکھی تھی یا وہ بلا ملا بھی دیکھی تھی؟''

''ابے چپ بے چڑی کے، یہ خانے میخ...یانی میز ہے یا...''شوکت اس پر بگڑ پڑا۔

''میاں، میں تو ایک بات پوچھ رہا تھا۔''شمو سہم کر بولا۔

Akram Allahabadi

''پوچھنے دو، پوچھنے دو، تمہارے باپ کا کیا جاتا ہے۔'' بالے نے آہستہ سے شوکت کو ہی ٹوک دیا۔

''جاتا ہوگا خدتمہارے باپ ماپ کا، میاں خاں۔ ذرا زبان سنبھال کر بات کیا کرو، میاں۔'' شوکت نے برا ماننے والے انداز سے کہا، مگر اتنی دیر میں خود خان اس تذکرے کو چھیڑ چکا تھا، اس لیے شوکت کو خاموش ہی ہونا پڑا۔ وہ شمو سے پوچھ رہا تھا۔

''شمو، یہ بلا کیا ہوتی ہے؟''

''اللہ جانے میاں، کہیں آسمان ماسمان سے ٹپکتی ہوگی سالی۔ اپن تو سیدھے سادھے مسلمان ہیں، کوئی حافظ زیارت علی تھوڑی ہیں جو عمل کھینچ کر، مالوم کرلیں۔'' شمو دونوں کان تھام کر بولا۔

''ابے اِتا سا سوال اور ہاتھ بھر کا جواب۔'' شوکت نے کھانے کے وقت اس قسم کے تذکرے کرنے کو گول کرنے کی کوشش میں اسے ڈانٹا۔

''میاں، ماف کرنا، آپ کا ای حکم ہے کہ جو بات پوچھی جائے پورا پورا جواب دو۔'' شمو نے جلدی سے کہا۔

''ابے تو سالے ہماری ای بلی ہم ای سے میاؤں میاؤں۔''

''میاں، میں بلا ہوں۔'' شمو اتنی معصومیت سے بولا کہ بے اختیار ہنسی کے ٹھٹکے کے ساتھ بالے کے منہ سے نوالہ نکل کر دور جا گرا۔ ہنسی تو سب کو ہی آئی، مگر شوکت کی کھوپڑی اور گھوم گئی۔

''گیٹ آؤٹ۔ سالے بے ادب، بے نصیب۔'' شوکت حلق پھاڑ کر چیخا۔

''جانے دو، جانے دو، بے چارے نے اپنی عقل کے مطابق ہی تو بات کہی ہے۔'' خان شوکت کو سمجھانے لگا۔ شمو شوکت کو اس موڈ میں دیکھ کر واقعی ڈر گیا۔ وہ گھگھیانے لگا۔

''میاں، میں بلی، میرا باپ بلی، میرا دادا بلی۔ میاں، میاؤں، میاؤں، میاؤں...''

Akram Allahabadi

وہ کہتے کہتے حلق سے بلی جیسی آوازیں نکالنے لگا۔اور شوکت کو اس غصے کے عالم میں بھی اس کی اس حرکت پے ہنسی آ گئی۔

''سالا پورا وہ ہے یا نی کہ والٹر ہے۔''وہ ہنس کر بالے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب؟''بالے نے پوچھا۔

''ارے وئی، کیا بولتے ہیں یا نی کہ کارٹون مارٹون۔''

''اوہ تو بیچارے والٹ ڈزنی کی مٹی پلید کی ہے آپ نے۔''

''ہاں جاؤ کی ہے، جو جی چاہے گا بولوں گا، کوئی تم اس کے رشتے دار ہو؟''

''ہاں بھئی، شوکت۔''خان نے انھیں لڑتے دیکھ کر شوکت کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''جی... ہاں فرمایئے۔''وہ بالے کو گھورتا ہوا خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تم نے بھی تو کچھ سنا ہو گا ان واقعات کے بارے میں؟''خان نے شوکت سے پوچھا۔

''اللہ جانے، خان صاحب۔مگر بڑے بوڑھے کہتے تو آ رہے ہیں کہ اس ریاست میں بھوت بھوت ہیں اور نہ جانے کیا کیا الا بلا ہیں۔''

''میاں اجازت ہو تو میں آنکھوں دیکھی بتاؤں؟''شمو جلدی سے بول اٹھا، مگر بات کیونکہ شوکت کے حق میں تھی، اس لیے اس نے اسے ٹوکا نہیں اور خان نے سر ہلا دیا۔

''میاں، ایک رات میں خود ڈیڑھ بجے سنیما سے واپس آ رہا تھا، بس میاں منشی حسین خاں کے تلاؤ (تالاب) والی سڑک پہ ادھر پیر رکھا اور ادھر میرا دل دھک دھک ہونے لگا۔ میاں منشی حسین خاں کے تلاؤ کے سر کٹے بھوت کا جو خیال آیا تو رواں رواں کھڑا ہو گیا۔میں لگا کلمہ طیبہ پڑنے۔وہ تو بھول میں اس سڑک سے نکل آیا تھا، ورنہ میاں آدھی رات کو تو اس سڑک سے رستم خاں کی بھی ہمت نہیں ہو نکلے۔بس میاں، ایک دس بیس قدم بڑھا تھا تو کیا دیکھتا ہوں... اللہ توبہ... خدا پھر نہیں دکھائے ویسی رات...''

''ابے آگے چل۔''شوکت نے اسے ٹوکا۔

''بس میاں، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالا بکری کا بچہ بالکل ذرا سا، منا سا، سڑک کے کنارے کھڑا میں میں کر رہا ہے۔ میں سمجھا کوئی بکری چھوڑ گئی ہوگی، چلو گھر لے جا کر پالیں گے۔اس لیے میں نے سالے کو گود میں اٹھالیا اور چلنے لگا۔ارے میاں، بس تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں جیسے من من بھر کے باٹ رکھ دیے ہوں کسی نے۔سالا اِتا سا بچہ اور اِتا بھاری ہوگیا۔اور جو میاں میں نے نیچے دیکھا تو میری تو آواز بھی حلق میں پھنس کر رہ گئی۔اس بکری کے بچے کے اگلے پچھلے پیر اِتے لمبے ہوگئے تھے، اِتے لمبے ہوگئے تھے کہ زمین سے ٹکرانے لگے۔اب جو پھینکنا چاہتا ہوں تو سالا جیسے ہاتھ میں چپک گیا ہو۔بس میاں میری تو جان آدھی ہوگئی، مگر بڑی ہمت کر کے میں نے آیت الکرسی پڑھ ہی ڈالی۔بس اس کا پڑھنا تھا کہ سالا چھوٹ کر ہاتھ سے گر پڑا۔مگر اب جو پھولنا شروع ہوا تو سالا گدھے کے برابر ہوگیا۔ پھر پھولتے پھولتے ہاتھی کے برابر۔اور میاں، آنکھیں، یہ لال لال انگارے، جیسے ریلوے کی لال بتی کا سگنل۔''

''ابے خلاص بھی کرنا اپنی یہ آپ بیتی۔سالا شہر کو تو سنا چکا ہے۔''شوکت جھنجلا گیا۔

''بس میاں، میں بھی جی کڑا کے آیت الکرسی پڑھتا ہی گیا اور اس پر پھونکتا گیا۔وہ سالا چھوٹا ہونے لگا اور سکڑتے سکڑتے غائب ہوگیا۔اِتے میں منشی حسین خاں کے تالاب سے کیا آواز آتی ہے کہ 'شموسالے، آج تو بچ گیا، مگر اب کی بار ہاتھ لگا تو تیرے کباب ہی بنا کے کھاؤں گا'۔میاں، میں نے دل میں کہا کہ سالا آتا ای کون ہے ادھر سے۔بس جوتے بغل میں دابے ٹرانٹ ہوگیا۔''

''کیا ہوگیا؟''بالے نے پوچھا۔

''مثل مانند ہوا رفتار کے دوڑنے کو کہتے ہیں۔''شوکت نے بڑے پڑھے لکھے لہجے میں بالے کو ٹرانٹ کا مطلب سمجھایا۔اور بالے سے ہنسی ضبط نہ ہوسکی، لیکن شوکت یہ سمجھ کر شاید

وہ شمو کی ٹرانٹ پر ہنس رہا ہے، خود بھی ہنس پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عجیب کہانی

دوسرے دن خان ،بالے اور شوکت ،شوکت کی کار میں عید گاہ کی گفا دیکھ کر لوٹ رہے تھے کہ عجیب واقعہ پیش آیا۔ایک خوبصورت سا نوجوان، جس کا رنگ گورا اور بدن صحتمند تھا، اپنے اچھے خاصے لباس کو پارہ پارہ کیے راستے میں ان کی کار کے سامنے آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو گیا۔شوکت نے گھبرا کر پوری طاقت سے فسٹ بریک دبا دیا اور گاڑی گھسٹتے گھسٹتے بھی اس سے ٹکرا گئی۔وہ سڑک پر چت گرا۔وہ تینوں گھبرا کر کار سے اتر آئے ،لیکن اسے کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی ،صرف پنڈلیوں میں بمپر نے خفیف سے زخم ڈال دیے تھے۔

شوکت کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے،مگر جب اس نے اسے بولتے سنا تو جان میں جان آئی۔وہ کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے ان سے کہنے لگا۔

''ارے کچل کیوں نہیں دیا مجھے،بے رحموں۔میرے سینے پر سے اپنی موٹر گزار دو، میں جینا نہیں چاہتا۔''

''بچارا پاگل مالوم ہوتا ہے۔''شوکت نے رائے زنی کی۔

''کاش تم میری جگہ ہوتے تو مجھ سے زیادہ پاگل ہو گئے ہوتے۔''وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس کی پنڈلیوں میں چوٹ آئی ہے،اسے لے چلو۔''خان نے ان سے کہا اور بالے نے سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟''

''اسپتال۔''شوکت بول اٹھا۔

''نہیں نہیں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، مجھے مت لے جاؤ۔ میں اسے تلاش

Akram Allahabadi

کروں گا۔ایک بار پھر تلاش کروں گا۔"

"کسے تلاش کرو گے؟" بالے نے پوچھا۔

"اسی رہزنِ عقل وہوش، محبوبۂ گلفروش کو۔" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

"کسی مالن سے عشق ہوگیا ہے کیا؟"

"ہائے، مالن ہی ہوتی تو میں سماج سے بغاوت کر کے اس سے شادی نہ کر لیتا۔"

"خیر چلو، پہلے گاڑی میں بیٹھو، پھر شادی کرنا۔" بالے نے اسے بازو سے تھام کر پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔

"یہ اسٹیٹ ہے دلچسپ جگہ۔" بالے، خان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"میاں خاں، میرے شہر کی توہین مت کرو۔" شوکت برا مان گیا۔

"آپ بڑے چغد ہیں، میں نے تو تعریف کی ہے۔"

"تم خد ہو گے، میاں خاں۔ وہ یانی کہ خاں صاحب ہیں، ئیں تو بتاتا تمہیں۔"

"کیا بتاتے؟"

"وئی چغد مغد۔" شوکت گاڑی اوسط رفتار پر رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"ہاں تو، برخوردار، آپ کس مرض میں مبتلا ہیں؟" بالے پھر اس اجنبی سے مخاطب ہوگیا۔

"شاید آپ لوگ مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں۔" نوجوان اجنبی نے آہستہ اور مغموم لہجے میں کہا۔

"تم خودکشی کیوں کرنا چاہتے تھے؟" خان نے اس بار اس سے سوال کیا۔

"میں جو کچھ بتاؤں گا، شاید آپ میں سے کوئی اس پر یقین نہ کرے گا۔"

"میں بطور رائیڈوانس یقین کیے لیتا ہوں، تم شروع ہو جاؤ۔" بالے بول پڑا۔

مگر بالے کی بات ان سنی کر کے وہ خان کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

Akram Allahabadi

''تم ضرور کہو۔اپنا دکھ بیان کر دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔'' خان نے اسے سمجھایا۔

''یہ ایک ہفتے کی بات ہے۔''اس نے کہنا شروع کیف اور شوکت نے بھی کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے کان ادھر ہی لگا دیے۔

''وہ ایک رات میری زندگی کی ایسی عجیب رات تھی جتنی عجیب شاید الف لیلیٰ کے افسانوں میں بھی نہ سنی گئی ہوگی۔''

''ضرور بھائی کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے۔''شوکت نے اس کی طرف دیکھے بغیر تبصرہ کیا۔

''تم ذرا چپ رہو۔''خان نے اسے تنبیہ کی۔''تو پھر کیا ہوا؟''اس نے اس اجنبی سے پوچھا۔

''اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میں پریوں کے دیس کی سیر کے رکے آیا ہوں،تو کیا آپ یقین کریں گے؟''

''اگر تمہاری کہانی قابلِ یقین ہوئی تو نہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔''

''تو سنیے، میں یہاں کالج میں بی اے کا اسٹوڈنٹ ہوں۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ جمعرات کا ہی دن تھا، جب میں دوپہر کے وقت کالج سے لوٹ کر آ رہا تھا۔میں یہاں آہنی بنگلے میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''کیا تم خان بہادر محمد ظفر کے بیٹے ہو؟''شوکت پوچھ بیٹھا۔

''جی ہاں۔''وہ سادگی سے بولا۔

''اللہ رحم کرے، بیچارے خان بہادر پر۔''شوکت نے اسے پہلی بار ہمدردی کی نظروں سے دیکھ کر سرد سانس کھینچی۔

''ہاں تو پھر کیا ہوا؟''بالے نے اسے لقمہ دیا۔

Akram Allahabadi

''میرے گھر تک پہنچنے کے لیے تقریباً دو میل سُونی سڑک پڑتی ہے، جہاں دوپہر کو بالکل سناٹا رہتا ہے، اس دن میں سائیکل پر اپنے گھر آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک فقیر ملا۔ اسے میں دو تین بار پہلے بھی ایک درخت کے نیچے رات میں بیٹھا دیکھ چکا تھا۔ وہ روز مجھے دیکھ کر نعرہ لگایا کرتا تھا کہ بچہ کچھ دیتا جا کچھ لیتا جا۔ اس دن میں سائیکل سے اتر گیا اور میں نے اس کی ہتھیلی پر ایک روپیہ رکھ دیا۔ وہ جواب میں مجھے گھورنے لگا اور پھر چونک کر بولا۔

''ایسی تقدیر میں نے کسی کی نہیں دیکھی۔ ایسی روشن اور عجیب تقدیر۔''

مجھے اس کی گفتگو سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس نے میرے ماتھے کو گھور گھور کر مجھے ایک عجیب سی بات بتائی جسے سن کر پہلے تو میں ہنس پڑا، لیکن اس کے بارعب چہرے کی طرف دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔

''اس نے کہا ہو گا تم ملک خراسان کے بادشاہ ہونے والے ہو'' بالے نے رائے زنی کی۔

''میرا مذاق نہ اڑایے، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔''

''بھئی، کہنے دو انھیں، بالے۔'' خان جھنجلا گیا۔ بالے چپ ہو گیا۔ شوکت نے اب اس کا مذاق اڑانا چھوڑ دیا تھا۔ شاید وہ خان بہادر سے واقف تھا۔

''اس نے بتایا کہ میں ایک دنیا کا شہزادہ بنوں گا جسے انسان کی نظریں نہیں دیکھ سکتیں۔ اس نے مجھے ہدایت کی اگر مجھے اس پر یقین نہیں تو میں کسی دن دوپہر کے سناٹے میں پرانے قلعے کے اس پار پریوں کی باوڑی میں چلا جاؤں اور اندر اتر کر نچلی منزل میں جہاں پانی کی تہ باوڑی کے زینوں کو چھونے لگتی ہے، فقیر کی دی ہوئی سات کنکریوں کو پانی میں پھینک کر سات بار آواز لگاؤں، 'اے پریوں کی شہزادی، مجھے بلا لو، اے پریوں کی شہزادی، مجھے بلا لو' تو جو کچھ نیچے ظہور میں آئے گا، وہ فقیر کے قول کی تصدیق کر دے گا۔''

''اور لو، تنا تنگڑا بنڈل۔'' شوکت سے نہ رہا گیا۔

"جی نہیں، اس نے جو کچھ کہا، وہ سچ نکلا۔"

"ایں، یانی کہ شریوں کی پیزادی تھیں... یانی کہ پریوں کی ہزادی۔ اونہونہہ۔"

فرطِ حیرت سے شوکت کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

"شہزادی۔" بالے نے تصحیح کی۔

"خدا کے سے، سالی شہزادی ہو کہ چمارزادی۔" شوکت نے یہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"وہ باوڑی ملی تمہیں؟" خان نے اس کی اس عجیب کہانی میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ باوڑی ایک ویرانے میں ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آسیبی روایات مشہور رہیں۔"

"جیاں، میں نے بھی اس سالی کا نام سنا ہے۔" شوکت نے منہ پھیرے بغیر تصدیق کی۔

"اچھا تو پھر؟" خان نے جوان لڑکے سے سوال کیا۔

"اس وقت تو میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی، اور فقیر کے دیے ہوئے کنکر اس کا دل رکھنے کے لیے جیب میں ڈال لیے۔ بات ہی مضحکہ خیز تھی، مگر نہ جانے کیوں جب میں اس کا کسی سے ذکر کرنا چاہتا، فقیر کے وہ الفاظ مجھے یاد آ جاتے کہ خبردار کسی سے اس کا ذکر کیا تو مر جاؤ گے۔ میں اس قسم کے توہمات پر یقین نہ رکھتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اس واقعے کے تذکرے کی ہمت نہ کر سکا اور بالآخر ایک نامعلوم سے نفسیاتی اثر نے مجھے مجبور ہی کر دیا کہ میں ایک وہم کی تردید کے لیے ہی سہی، ایک بار اس باوڑی تک جا کر دیکھوں تو سہی، ایک تفریح ہی سہی۔ اور اسی الجھن میں میں دوسرے دن کالج بھی نہیں گیا۔ دوپہر ہوتے ہی میں نے اپنی ایر گن اٹھائی اور چڑیوں کے شکار کا بہانہ کر کے گھر سے نکل گیا۔ اس باوڑی تک پہنچنے میں مجھے ڈیڑھ گھنٹہ لگا، لیکن وہاں دور دور تک ویران پہاڑی چٹانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ البتہ باوڑی

میں قدم رکھتے ہی چلچلاتی دھوپ میں بھی کسی ایر کنڈیشنڈ ہال جیسا لطف آگیا۔اور کچھ نہ سہی تو مجھے اس مقام کی ٹھنڈک بڑی بھلی معلوم ہوئی۔یہ باوڑی جس کی سیڑھیاں پانی میں اتری چلی گئی ہیں، اندر سے کئی درجوں پر مشتمل ہے۔اور اندر سے ایک ایسی بارہ دری معلوم ہوتی ہے، جس کا صحن پانی میں ڈوبا ہوا ہو۔میں جب اس کی نچلی منزل پر پہنچا تو یہاں بڑا بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا۔دل نہ جانے کیوں اس پر ہول ویرانی کے احساس سے ڈرنے لگا۔پھر بھی میں نے فقیر کے قول کو آزمانے کے لیے وہ کنکریاں جیب سے نکالیں اور یکے بعد دیگرے انھیں پانی میں ڈالتے ہوئے فقیر کے بتائے الفاظ دہرانے لگا۔'اے پریوں کی شہزادی، مجھے بلالو۔میں جس وقت یہ الفاظ دہرا رہا تھا، اچانک میرے سر پر کوئی چوٹ سی پڑی اور پھر میری آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔''

''اور اس کے بعد جنت میں ہی آنکھ کھلی ہوگی؟''بالے نے پوچھا۔

''جی نہیں، جب آنکھ کھلی تو میں سچ مچ پریوں کے دیس میں ہی تھا۔میں نے ایسا خوبصورت محل، ویسے حسین چہرے، کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے، بلکہ جیسے الف لیلیٰ کا کوئی روایتی مقام ہو۔''

''کالے سفید دیو بھی دکھائی دیے یا نہیں؟''بالے کی زبان پھر نہ مانی۔

''میں جانتا تھا کہ آپ لوگ یقین نہیں کریں گے۔آپ کیا، کوئی یقین نہ کرے گا۔ یہ واقعہ ہی ایسا ہے۔''وہ بے چارگی سے بولا۔

''ان کی پرواہ نہ کرو، کہے جاؤ۔''خان نے پھر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''آنکھ جب کھلی تو میرے جسم پر کسی شہزادے کا زرق برق لباس تھا۔چند کنیزیں مجھے پیشوائی کر کے ایک سرخ کھمبوں والے خوبصورت ہال میں لے گئیں، جہاں ایک تخت نما مسند پر ایک سرخ وسفید رنگ کی ایک حسین عورت جوان کی ملکہ یا شہزادی معلوم ہوتی تھی، نیم دراز تھی۔اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے برابر بٹھا لیا۔بس پھر مجھے اتنا ہوش ہے

کہ کل رات تک میں ان کا مہمان تھا۔ میری زندگی کے یہ دن ایسے گزرے ہیں، جن کی رنگین راتیں میں نے اس رہزنِ عقل وہوش کے ساتھ دادِ عیش دیتے گزاری ہیں۔ میں ان راتوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ کاش کوئی میری جان لے لیتا، مگر ایک بار پھر پریوں کے دیس میں مجھے پہنچا کر۔'' یہ کہہ کر وہ آبدیدہ ہوگیا۔ ''مجھے وہ صورت بھولی نہیں جاتی۔'' یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔

''سن لیا آپ نے، یہ شہر افیونچیوں کا شہر معلوم ہوتا ہے۔'' بالے نے جل کر کہا۔

''اے میاں خاں، بڑے بڑے نکلے ہیں اس خاک سے ہاں۔ ایسا ویسا شہر مت سمجھنا۔'' شوکت برا مان گیا۔

''اس کے بعد رات کو اس پری تمثال کے ساتھ آرام فرمانے کے بعد تمہاری آنکھ کسی گھورے پر کھلی ہوگی؟'' بالے نے شوکت کی بجائے اس اجنبی کو ہی خطاب کیا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' وہ محجوب سے لہجے میں بولا۔ ''ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے ایک مہتر نے شرابی سمجھ کر گھورے سے اٹھایا تھا۔''

''تو کیا تم شراب بھی پیتے ہو؟''

''کبھی نہیں، مم... مگر وہاں مجھے کوئی ایسی چیز پلائی ضرور گئی تھی، جسے پی کر میری رگوں میں آگ سی دوڑنے لگی تھی۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''ہائے، اسی کو تو ذختِ رز کہتے ہیں۔'' بالے سرد سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

''کیا کہتے ہیں؟'' شوکت نے وضاحت طلب کی۔

''ذختِ رز۔'' بالے برا سا منہ بنا کر بولا۔

''ٹھینکے سے۔'' شوکت نے بیزاری سے منہ پھیر لیا، مگر اب وہ گاڑی کو آہنی بنگلے کی طرف لے جا رہا تھا۔

''یہ کدھر چل رہے ہو؟'' خان نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''اس پاگل کو اس کے ماں باپ کے پاس چھوڑ دوں۔''

''خیر چلو، یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''نہیں نہیں، مجھے وہاں نہ لے جایئے، مجھے کہیں گاڑی سے پھینک دیجیے۔ میں اب نامراد زندگی جینا نہیں چاہتا۔''

''اسی فقیر کو ڈھونڈ لینا، پھر دے دے گا ٹکٹ تمہیں پریوں کے دیس کا۔''

''وہ وہاں نہیں ہے۔ میری روٹھی ہوئی تقدیر کی طرح شاید اب وہ بھی مجھ پر کبھی مہربان نہ ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔ اور اس کی عبرتناک کیفیت نے واقعی انھیں متاثر کر دیا۔ شاید اسی پاگل پن یا خبط نے اسے بے طرح بے قابو کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ یا تو وہ پاگل ہو گیا ہے، یا اس کے ساتھ دوستوں نے کوئی خطرناک قسم کا مذاق کیا ہوگا۔

بہر حال انھوں نے زبردستی اسے اس کے ماں باپ کے سپرد کر دیا، جنھوں نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور ان سے بھی انھیں یہی معلوم ہوا کہ ان کا لڑکا پچھلے ایک ہفتے سے گھر سے غائب رہا ہے۔ وہ جب گیا تھا تو ایر گن اس کے ہاتھ میں تھی اور اس وقت سے اب تک شہر کے چپے چپے میں اسے تلاش کیا جا چکا ہے۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس سے پہلے وہ قطعی صحیح الدماغ، بلکہ کافی ذہین لڑکا تھا۔ خان نے ان کے ڈرائنگ روم میں ٹنگی ہوئی اس کی تصویر بھی دیکھی۔ تصویر میں کافی شاندار اور خوبصورت قسم کا نوجوان نظر آ رہا تھا۔ اس کے ماں باپ کو خان نے یہی مشورہ دیا کہ اسے دماغی امراض کے کسی ڈاکٹر کو دکھایا جائے، حالانکہ لڑکا خود احتجاج کرتا رہا کہ وہ بالکل صحیح الدماغ ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ حرف بحرف صحیح ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ڈیئر شوکت، اگر تمہیں بھی کوئی ایسا کراماتی فقیر مل جائے تو؟'' واپسی پر بالے نے

شوکت کو چھیڑنا شروع کیا۔خان اس وقت اپنی آرام گاہ میں جا چکا تھا۔

''کائے کو،مل جائے تمہیں کو۔میں کوئی پاگل ہوں۔''

''تم بھی تو بہت پریوں کے خواب دیکھا کرتے ہو۔''

''اللہ قسم مزا تو آئے،مگر یہ سالا گھورے پر پھینکے جانے والا معاملہ اچھا نہیں ہے۔''

شوکت نے پریوں کے اس نامعلوم دیس کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

''پھر تم کسی کی کار کے آگے خودکشی کرو گے۔''

''میاں خاں،لاحول پڑھو۔اپن ایسے وہ تھوڑی ہیں،یانی کہ ڈیوٹ۔''

''بھئی،کچھ بھی ہو،تمہارا شہر ہے بڑا عجیب۔کل وہ بلا والا قصہ اور آج یہ الف لیلیٰ کا ایک باب۔''

''کائے کا باپ؟''

''واقعی ڈیوٹ ہو۔''

''اچھا جاؤ،ہوں،تمہیں کیا؟''

''خیر چھوڑو،وہ شکار وکا رکا کیا ہوا۔میں چاہتا ہوں کہ خاں صاحب کو شہر سے باہر ہی تفریحات میں الجھا کر رکھائے،ورنہ وہ کہیں یہاں بھی کسی کیس کے چکر میں نہ پڑ جائیں۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار یہ خان صاحب خشکے ہیں بالکل۔''

''کیوں؟''

''بھائی کو صفتِ نازک کی خوشبو ہی نہیں لگی کہیں سے۔''

''ابے،کبھی تو صحیح جملہ بولا کرو۔''

''کیوں؟ کونسا غلط کر دیا میں نے؟''

''یہ صفتِ نازک کیا تمہاری کھوپڑی کو کہتے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''تو پھر کیا کہتے ہیں اس کو؟ یانی اورت کی ذات۔''

''کسی اورت کی ذات سے ہی پوچھ لینا۔''

''لو بات کاں تھی، کاں پونچا دی۔ میں تو خان صاحب کی کہہ رہا تھا۔''

''بیٹے، ایسے ہی مردوں کے پیچھے عورتیں دل ہتھیلی پر لے کر دوڑا کرتی ہیں۔''

''ارے میاں، جاؤ، میں نے تو کسی کو سلام کرتے بھی نہیں دیکھا۔''

''خیر چھوڑو یہ بحث، وہ بال برہمچاری ہیں۔''

''اللہ کرے تم بھی ہو جاؤ۔ سالے، بھوت بری نیت ہے تمہاری۔ اسی لیے تو میں اب سکریٹری نہیں رکھتا۔''

''میں صرف تفریح کرتا ہوں، تمہاری طرح چاروں ہاتھ پاؤں سے عاشق نہیں ہو جایا کرتا۔''

''کون عاشق ماشق ہوتا ہے، میاں خاں۔ وہ تو میں بس مشق کرتا ہوں۔''

''خیر سنو، تم اس فقیر کو تلاش کرو، پھر ہم تم دونوں پریوں کے دیس چلیں گے۔''

''اور خان صاحب؟'' شوکت نے پوچھا۔

''ان کا ارادہ پینشن لے کر حج کو جانے کا ہے۔''

''اللہ قسم۔''

''خود پوچھ لینا۔''

''چلو اچھا ہوگا، پھر اپن آزاد ہو جائیں گے۔'' شوکت نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

''یہ کیا آزادی کی تحریک چلائی جا رہی ہے؟'' خان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''نہیں، خان صاحب، وہ میں بالے بھائی سے کہہ رہا تھا، یانی کہ پولیس کی نوکری چھوڑ کر حج کو چلنا چاہیے۔''

Akram Allahabadi

''اچھا خیال ہے، کب جانا چاہتے ہو؟'' خان بالے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''ان سے ہی پوچھیے۔'' شوکت نے بالے کی طرف اشارہ کر کے منہ لٹکا لیا۔

''پینشن لینے کے بعد۔'' بالے لاپرواہی سے بولا۔

بات آگے نہ بڑھ سکی، کیونکہ خان وہیں صوفے پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگا۔ جس میں کل والے واقع کی رپورٹ چھپی ہوئی تھی، مگر وہ اس میں چند قابلِ توجہ الفاظ دیکھ کر چونک پڑا۔ رپورٹ کے آخر میں لکھا تھا۔

''پوسٹمارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاش کو نوچ جانے سے پہلے اس کے ہاتھ کسی رسی سے باندھے گئے تھے، کیونکہ ایک کلائی کی کھال پر رسی کے بلوں کے نشانات دیکھے گئے ہیں۔ اس طرح یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ یا تو اسے کہیں جنگل میں کسی چیز سے باندھ کر درندوں سے نچوایا گیا ہے، یا کسی پالتو درندے سے نچوایا گیا ہے، کیونکہ شہر میں درندوں کے واقعے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ڈاکٹروں نے ہلاکت خیز بلا والے واقع کی سختی سے تردید کی تھی اور پچھلے واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ان پر توہم پرستی کا پردہ ڈال کر پولیس نے غفلت پرستی کا ثبوت دیا ہے، ورنہ شاید اس ہلاکت خیز بلا کا راز اب تک حاصل ہو گیا ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شکارگاہ

شوکت کا خیال تھا کہ مچانیں بندھوا کر پارچے سے شکار کھیلا جائے، لیکن خان نے اسے پسند نہیں کیا۔ اس لیے شکارگاہ میں ایک جگہ صاف کر کے خیمے لگوائے گئے تھے۔ شوکت کے ملازم بھی ساتھ آئے تھے۔ اس لیے کیمپ میں بڑھا چڑھا کر بیان کیے جانے والے شکاریوں کے قصے رات بھر سے چھڑے ہوئے تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ سویرے پو پھٹتے ہی نکلا جائے۔ بالعموم اس وقت جانور نشیب کی طرف گڑھوں میں پانی پینے آتے ہیں۔

اس وقت وہ دولاگھاٹی کے علاقے میں تھے اور یہ علاقہ شکار کے لیے موزوں ترین سمجھا جاتا تھا۔ جہاں چھوٹے چھوٹے جانوروں سے لے کر بگھیرے تک پائے جاتے تھے۔ اس سے ملی ہوئی وہ شکارگاہ تھی، جو اس ریاست کے حکمران کے لیے مخصوص تھی۔ دائیں جانب دولاگھاٹی کے جھیل کا وہ علاقہ تھا، جو آبی پرندوں کے شکار کے لیے مخصوص تھا۔ شوکت کے ساتھ اس کی دعوت پر مقامی جاگیرداروں میں سے اس کے دو تین دوست اور بھی آئے تھے، جن میں سے ایک کا نام توفیق میاں خان جاگیردار تھا، دوسرے اپنے نام سے زیادہ مکو میاں جاگیردار پکارے جاتے تھے اور تیسرے جو تین ٹن وزن کی ایک گٹھڑی تھے، اپنے تن و توش کے اعتبار سے بھیا میاں کہے جاتے تھے۔

وہ خود ایک شکار کردہ جانور کی طرح دوسروں پر بوجھ تھے۔ ان کی وجہ سے نہ تو پارٹی تیز چل سکتی تھی، نہ اس قدر آہستہ کہ چلنا نہ چلنا برابر ہو، جس کا نتیجہ یہ کہ بار بار شوکت کو انھیں ٹوکنا پڑتا۔

''ارے خان بھیا میاں، ذرا تیز چلو۔''

اور وہ منہ بنا کر کہتے۔ ''چل تو رہا ہوں، میاں، اور کیا پر لگا کے اڑنے لگوں۔''

Akram Allahabadi

خدا خدا کر کے سورج نکلنے سے ذرا پہلے وہ اس ٹیکرے پر پہنچ گئے، جس کے نشیب میں ایک شاداب میدان تھا۔ اور جس میں ہرنوں کا ایک گروہ کلیلیں کر رہا تھا۔

''میاں، اللہ قسم، کتنے بھوت سے جناور ہیں۔'' شمو نے شوکت کی توجہ دلائی۔

''اور میں کیا اندھا ہوں، بے؟''

''شش۔'' بالے نے شوکت کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اور وہ سب ٹیکرے سے دبے پاؤں نیچے اترنے لگے۔ اپنی موت کے آثار سے بے خبر جنگل کی یہ آزاد مخلوق بے فکری سے اپنی تفریح میں کھوئی ہوئی تھی کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ حماقت ان بھیّا میاں کی ہی تھی، جو خود اپنا وزن نہ سنبھالتے ہوئے ایک جگہ ڈھلوان پر پھسل کر لڑھک گئے تھے۔ ہرن آواز ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن اس عالم میں بھی خان کا نشانہ نہ چوکا۔ ایک ساتھ دو تین فائر ہوئے اور ان میں سے تین ہرن زخمی ہو کر گر پڑے۔

خان، بالے اور شوکت کے ایک دوست توفیق نے ایک ساتھ تین بھاگتے ہرنوں پر نشانے لگائے تھے اور تینوں کامیاب رہے۔

''سبحان اللہ، میاں کیا مارا ہے۔'' شمو پیچھے سے چیخا۔ بیچارا شوکت، بھیّا جان کو ہی سنبھالتا رہ گیا تھا۔

تینوں ہرنوں میں سے ایک زخمی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا اور دو پکڑ لیے گئے۔

''بالے، لوا سے، زیادہ دور نہیں جانے پائے گا۔'' خان نے پلٹ کر آواز دی۔ بالے پہلے ہی اس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔

''میاں، تم کائے کو آ گئے شکار پے۔ تمہیں تو گھر میں ہرن پال کے شکار کھیلنا چاہیے۔'' شوکت نے جلے ہوئے لہجے میں بھیاں میاں کو سنائی۔

''اے لو، تو بیر پھسل گیا تو میں کیا کروں۔ اللہ کی قدرت ہے۔'' وہ سنبھل جانے

کے بعد وجوہات دینے لگے۔

''وہ تو خیر ہوگئی، میاں نہیں تو نیچے تک جاتے تو ہرن سالے گھیر کر مار ڈالتے۔'' شمو سے نہ رہا گیا۔

''او بے اخروٹ کی اولاد، ہرن سالے آدمی کو مار سکتے ہیں کیس؟'' شوکت کو شمو پر غصہ آ گیا۔

''میاں، معاف کرنا، میں کوئی آپ کی طرح بڑا شکاری ہوں کیا۔ میں نے سوچا آدمی ہرن کو مارتے ہیں تو ہرن کائے کو چھوڑ دیں گے آدمی کو۔'' شمو نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''بس بس، بھوت ارسطو مت بن، جا کے ہرن کو حلال کر۔''

شمو ہٹا ہی تھا کہ خان بھی بندوق لیے آ پہنچا توفیق اس کے ساتھ تھا۔

''کہیں چوٹ تو نہیں آئی آپ کے'' خان نے بھیا میاں سے پوچھا۔

''کائے کی چوٹ، کہیں فٹ بال پہ اثر بھی ہوتا ہے کچھ۔ ہڈی مڈی ہو تو چوٹ بھی لگے۔'' شوکت ان کی طرف سے بول پڑا۔

''اور تم کون سے ہتھیا ٹول سے کم ہو۔'' بھیا میاں نے بھی جل کر جواب دیا۔ خان کے لیے یہ ہتھیا ٹول ایک نئی اختراع کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن پھر شوکت کی جسامت پر نظر ڈال کر اس نے اس کا مطلب حل کر ہی لیا۔ وہ انھیں دیکھ دیکھ کر صرف مسکرا تا رہا۔

''ارے خان، لڑنے کی کیا بات ہے اس میں، چلو ایک سیر تو دوسرا سوا سیر۔'' توفیق نے رفع جھت کے نقطہ نظر سے دخل دیا۔

''وہ تو خان صاحب کا نشانہ ایسا ہے کہ اڑتی چڑیا کے پر گرا دیتے ہیں، ہمیں تو بسم اللہ ہی الٹی ہوگئی تھی۔'' شوکت نے خان کی تعریف کی۔

''نشانہ تو توفیق میاں کا بھی خوب ہے۔'' خان نے توفیق کی تعریف کی۔

''او بالے بھائی کاں گئے؟''

''ان کا ہرن لنگڑا ہو کے بھاگا ہے، اس سے پیچھے گئے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''اے لو، یانی اکیلے؟'' شوکت چونکا۔

''تو کیا ہوا؟''

''نہیں، میاں، ادھر باگ بگھیرے بھوت ہیں، میاں اکیلے جانا اچھا نہیں۔'' شوکت کے دوسرے بوڑھے نوکر کریم نے ہمت کر کے اظہارِ تعلق کیا۔

''اب دن نکل آیا ہے، ابھی ڈر نہیں ہے ان کا۔'' توفیق نے بات کاٹ دی۔

''خیر، میں خود دیکھتا ہوں اسے۔ تم لوگ جب تک اوپر کی طرف چلو۔'' خان نے شوکت کو ہدایت کی اور خود چلنے لگا۔

''سب ہی چلتے ہیں ساتھ میں۔'' شوکت نے یہ کہہ کر اپنی بندوق سنبھال لی۔ وہ پلٹ کر بھیاں میاں سے بولا۔ ''میاں خان، اب اپنی مدد آپ کرو، کوئی تمہیں اٹھا کے نہیں چلے گا۔''

''اے لو، تو تم نے کیا سمجھا ہے، میں تم سے تیز چل سکتا ہوں۔'' بھیا میاں کو جو تیل دیا گیا، اور واقعی وہ تیز تیز چلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

ہرن لنگڑا نہ ہو گیا ہوتا تو بالے کے فرشتے بھی اسے نہ پا سکتے، مگر پھر بھی اسے بے تحاشا اور کافی دور تک اس کے پیچھے دوڑنا پڑا۔ کئی ٹیلے پھلانگے، نالہ عبور کیا تب کہیں وہ ہرن اسے بے دم سا ہو کر ایک جنگلی باڑھ کے قریب گرا نظر آیا۔ بالے گرد و پیش سے بے خبر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ ہرن جھاڑیوں میں پڑا بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس میں اب بھاگنے کا دم نہیں رہا تھا۔ بالے کو اس کی اس بے چارگی پر رحم آ گیا۔ وہ اس بے زبان جانور کی نگاہوں سے جھلکتی ہوئی اس بے بسی اور خوف سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسے حلال کرے،

جھک کر اس کا زخمی پیر دیکھنے لگا۔ گولی نے ران کی ہڈی توڑ دی تھی اور اگر ذرا اونچی لگتی تو پیٹ کے چیتھڑے ہو گئے ہوتے۔ یا شاید بھاگتے میں لگنے سے ایسا ہوا ہو۔ اس نے جیب سے چاقو نکال لیا اور اس کی ران کا زخم اور چیر ڈالا۔ گولی اندر اٹکی ہوئی تھی اور ہرن اب ہاتھ پیر مارنے لگا تھا۔ اسے پیروں تلے دبا کر قابو میں رکھتے ہوئے اس نے وہ گولی نکال لی اور اپنا رومال نکال کر اس کی ران پر کس کر باندھ دیا۔ سیدھے ہوتے ہوئے اس نے دیکھا، اس بے زبان مخلوق کی آنکھوں میں اب وہ پہلی سی وحشت اور خوف نہ تھا۔ وہ بڑی معصوم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بیٹے، اب میں صرف درندوں کا ہی شکار کیا کروں گا۔ تمہاری قوم سے دوستی سمجھو۔'' وہ اسے تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ مگر اسی وقت اسے محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی کھڑا ہوا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ دو آدمی تھے جو خاکی وردیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی بندوقیں تھیں۔

''کون ہو تم؟'' ان میں سے ایک نے بالے سے پوچھا۔

''ایک آدمی۔'' بالے نے اطمینان سے کہا۔

''وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں، مگر یہاں کیسے آئے ہو؟'' دوسرے نے سوال کیا۔

''پیروں سے چل کر۔'' بالے کے اس جواب نے انھیں مشتعل کر دیا۔

''جانتے ہو کس سے باتیں کر رہے ہو؟''

''دو آدمیوں سے۔''

''اس کا دماغ ٹھیک کرنا پڑے گا۔'' پہلے نے دوسرے سے کہا۔

''تو دو گدھوں سے۔'' بالے جلدی سے بول پڑا۔

''تمہیں گرفتار کیا جاتا ہے۔'' دوسرا آدمی یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

''پہلے اپنا تعارف کرا دو، ورنہ میرا نشانہ ایک گولی سے تین سے زیادہ شکار کیا کرتا ہے۔'' بالے نے اپنی بندوق سیدھی کر لی۔ اس پر وہ کچھ سٹ پٹا سے گئے۔

Akram Allahabadi

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ شاہی شکارگاہ ہے، اس کی سرحد میں بلا اجازت قدم رکھنا جرم ہے۔'' پہلے نے نرم پڑ کر کہا۔

''کون سے بادشاہ کی شکارگاہ ہے؟''

''بادشاہ کی نہیں، یہاں کے شاہی خاندان کی۔'' دوسرے نے جواب دیا۔

''اوہ، تو یوں کہو نا، دوست، کہ تم اس کے محافظ ہو۔''

''ہاں اور نہیں تو کیوں تمہیں گرفتار کر رہے ہیں۔''

''خیر، گرفتاری کا جھنجٹ تو چھوڑو، مگر یہ ہرن تمہاری سرحد میں میں نے شکار نہیں کیا ہے۔ میری گولی سے زخمی ہونے کے بعد یہ تو بھاگ کر یہاں آ پہنچا ہے۔''

''ہم یہ سب کچھ نہیں جانتے، تم کو جو کچھ کہنا ہے، مہتمم صاحب کے پاس چل کر کہنا۔'' وہ محافظ بولا۔

''یہ مہتمم صاحب کون ذاتِ شریف ہیں اور کہاں واقع ہوئے ہیں؟''

''ہمارے ساتھ چلو۔''

''چلو۔'' بالے سر ہلا کر ساتھ ہو لیا۔ وہ خواہ مخواہ جھگڑا مول لینا نہ چاہتا تھا۔ اسے ان محافظوں کے چڑ چڑے پن پر لطف آ رہا تھا، جو خود کو اس بے ہنگم سی ملگجی پرانی وردی میں بھی افلاطون سمجھ رہے تھے۔

''اچھا مجھے سزا کیا دی جائے گی؟'' بالے نے چلتے چلتے پوچھا۔

''جو بیگم ہیا کا حکم ہوگا۔'' دوسرے نے کہا۔

''یہ کون جانور ہیں؟''

''شش... تم نواب صاحب خیر اگڑھ کی بیگم صاحبہ کی توہین کر رہے ہو۔ انھیں غصہ آ گیا تو وہ تمہیں کتوں سے نچوا دیں گی۔'' اس محافظ نے بالے کو ڈرایا۔

''ارے تو یار یہاں کیا ان کی روح سننے آئی ہے۔ تم سے ہی تو باتیں کر رہا ہوں۔''

Akram Allahabadi

بالے نے بے تکلفی سے بولا۔

''اچھا خان، تمہارے پاس بیڑی ہوگی ایک؟'' دوسرے محافظ نے ایک کان کھجلاتے ہوئے پوچھا۔

''بیڑی تو نہیں، یہ سگریٹ پی لو۔'' بالے نے جیب سے کیپسٹن کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اور وہ اس طرح جھپٹ پڑا جیسے کبھی سگریٹ نصیب ہی نہ ہوئی ہو۔

''یار میاں، آدمی تو تم کوئی شریف ہی معلوم ہوتے ہو۔'' وہ بولا۔ ''چلو معاملہ یہیں نپٹا لیں۔ اب کون چڑھائے تمہیں سولی پر۔''

''بڑی مہربانی، مگر مطلب تو بیان کرو۔''

''مطلب وطلب کا ئے کا، بس ایک ایک روپیہ دے دو اور راستہ ناپو۔''

''بھئی کچھ بھی ہو، رشوت تو میں نہیں دوں گا۔'' بالے نے انکار میں سر ہلایا۔

''تو پھر بھگتو دس سال کی۔'' دوسرا جل کر بولا۔ ''اپنے باپ کا کیا جاتا ہے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' بالے نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو، آٹھ آٹھ آنے ہی دے دو۔''

''ایک پیسہ نہیں دوں گا۔''

''تو پیسنا چکی جیل میں زندگی بھر۔'' محافظوں نے مجوزہ سزا میں اور توسیع کر دی۔

بالے زیرِ لب مسکراتا رہا۔ اور وہ دونوں اسی طرح سے بڑبڑاتے چلتے رہے۔ حلیے سے وہ کافی غریب آدمی معلوم ہوتے تھے۔ تندرستی بھی ویسی ہی تھی۔ شاید انھیں تنخواہیں بہت مختصر ملتی ہونگی۔ اسے ان پر رحم ضرور آیا، لیکن اس حد تک نہیں کہ انھیں رشوت دے دے۔

کافی دور جنگل میں چل کر وہ ایک کھلے میدان میں نکل آئے۔ جہاں اسے ایک قدیم طرز کی کوٹھی بنی نظر آئی۔ اس کے دروازے پر بھی کچھ محافظ ٹہل رہے تھے، لیکن ان کی وردیاں مختلف اور ذرا ڈھنگ کی تھیں۔ اسی کوٹھی کے برآمدے میں ایک بھاری تن وتوش کا

آدمی بید کی کرسی پر بیٹھا تھا۔اس نے خاکی کوٹ اور برجس پہن رکھی تھی اور اس کے ہاتھ میں ہنٹر تھا۔اس کے چہرے پر گلہری کی دم سے مشابہ بڑی بڑی گھنی مونچھیں تھیں۔بالے کو وہ اچھا خاصا کارٹون معلوم ہوا، مگر اس نے اپنے چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہی رکھے۔ان محافظوں میں سے ایک نے بڑے ادب سے اس آدمی کے قریب جا کر اس سے کچھ کہا۔اور پیچھے ہٹ کر اس نے بالے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔بالے برآمدے میں داخل ہو کر اس گھنی مونچھوں والے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''یہی ہے وہ آدمی، حضور۔''محافظ یہ کہہ کر برآمدے سے اتر گیا۔

''ہُم...آدمی تو ماشاءاللہ معلوم ہوتے ہو۔''وہ سر سے پیر تک بالے کو گھورتے ہوئے بولا۔

''جی، اور انشاءاللہ بھی ہوں۔''بالے نے بڑے ادب سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''یعنی یہی کہ اب آپ کی اجازت بغیر انشاءاللہ آپ کے جنگل میں نہ ٹپکونگا۔''

''مگر تم نے ایک ساتھ کئی قصور کیے ہیں۔شکارگاہ میں داخل ہوئے، ہرن مارا، سپاہیوں کو گالیاں دیں، پھر انھیں رشوت دینے کی کوشش کی۔''

''میں تو رشوت لینے کی کوشش کر رہا تھا، مگر ان کمبختوں کے پاس تو بیڑی تک نہیں۔ بیچارے بڑے غریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔شاید آپ انھیں معقول تنخواہ نہیں دیتے۔''

''تم کون ہوتے ہو نامعقول ہم پر حرف زنی کرنے والے۔تمھیں خبر نہیں شاید کہ میرا ہنٹر لوگوں کے جسم سے کھال ادھیڑ لیا کرتا ہے۔''

''آزما دیکھیے، میری کھال کافی مضبوط ہے۔''

''اوہ، تم ضرور کوئی بدمعاش آدمی ہو۔''

''نیک معاش تو آپ بھی نہیں معلوم ہوتے، ورنہ کم از کم بات کرنے کی تمیز تو

ہوتی۔"

"میں بیگم خیرآگڑھ کی ڈیوڑھی خاص کا مہتمم ہوں۔مجھ سے بد زبانی کا مزا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

"آپ کسی بیگم صاحبہ کی خاص ڈیوڑھی ہوں یا دروازہ مجھے کیوں تکلیف دے رکھی ہے آپ لوگوں نے۔" بالے پر اب واقعی جھنجلاہٹ سوار ہوگئی۔ابھی تک تو وہ ان کی حرکتوں سے لطف لے رہا تھا۔

"خیر شریف آدمی سمجھ کے میں تمہارے ساتھ رعایت کرتا ہوں۔تم سو روپیہ جرمانہ ادا کردو۔"

"اور اگر نہ ادا کروں تو؟"

"تو پھر تمہاری شامت آجائے گی۔"

"تو بس اسی کو بلا لیجیے۔"

اس جوب پر وہ مشتعل ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے، رسالیدار صاحب؟" ایک سریلی سی کھنکتی آواز نے بالے کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی۔وہ ایک چاند سے چہرے والی نہ سہی تب بھی بڑی پرکشش اور پرشباب لڑکی یا عورت تھی۔اگر عورت تھی تو بہت کمسن تھی اور لڑکی تھی تو جوان ہو چکی تھی۔اس کا بدن سڈول، رنگ گورا اور نقوش دلفریب تھے۔بالے نے دیکھا وہ موٹا مہتمم اسے دیکھ کر مؤدب ہوگیا۔

"بیا، یہ آدمی زبردستی حضور کی شکارگاہ میں گھس کر شکار کھیل رہا تھا۔" موٹا آدمی جلدی سے بول پڑا۔

"کیوں جی، کیا تمہیں اس کی سزا معلوم نہیں؟" وہ لڑکی نرم لہجے میں بالے سے مخاطب ہوگئی۔

''میں نے آپ کی سرحد میں شکار نہیں کھیلا، لیکن یہ کہنے کی اجازت ضرور دیجیے کہ آپ کے ملازم قطعی غیر مہذب اور بداخلاق ہیں۔'' بالے نے بلا جھجک جواب دیا۔

''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟''

''میں پنجڑھی کا سب سے اچھا نشانہ باز ہوں۔ میرا نام تیر انداز خان ہے۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''حالانکہ بندوق چلاتے ہو۔'' وہ یہ کہہ کر ہنس پڑی اور اس کے موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔

''یہ سب گردشِ زمانہ ہے، یور ہائی نس۔'' بالے نے اندازے سے ٹھوکا۔ وہ اسے کوئی نوابزادی یا کوئی بیگم سمجھ رہا تھا۔

''خیر، آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔ کیا کام کرتے ہو؟''

''کام باپ دادا بہت کر گئے ہیں۔ خاکسار تو آرام کرتا ہے۔''

''شکار کا اگر ایسا ہی شوق ہے تو ہمارے ساتھ تم شکار میں شریک ہو سکتے ہو، لیکن بلا اجازت ہماری سرحد میں شکار کھیلنا جرم ہے۔''

''اور اسی جرم کے طفیل مجھے آپ کا نیاز حاصل ہوا ہے۔''

بات اتنی سی ہوئی تھی کہ کوٹھی کے احاطے میں کچھ اجنبی داخل ہو گئے، جنہوں نے ان لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیر لی۔

یہ خان، شوکت اور ان کے ساتھی تھے۔ شوکت کی نظر جیسے ہی اس لڑکی پر پڑی، وہ چونک پڑا۔

''ارے شبو بیا، آپ؟'' وہ دور سے ہی چیخا اور وہ لڑکی اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی، جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہاں کی مقامی زبان میں بیا کا لفظ امیر زادیوں کے لیے بطورِ احترام استعمال کیا جاتا تھا اور مردوں کے لیے میاں۔

Akram Allahabadi

خان نے ان شبو بیا کی طرف توجہ بھی نہ دی۔ وہ سید ھلا لے سے مخاطب ہو گیا۔

''تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' اس نے پوچھا۔

''اس لنگڑے ہرن کے طفیل۔''

''اور تمہیں نالے کے قریب ان کی سرحد کا سنگ میل بھی نظر نہ آیا۔''

''میں نے خیال نہیں کیا۔''

''ارے میں آپ لوگوں کا تارف تو کرا دوں۔'' شوکت نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''آپ ہیں بیگم خیر اگڑھ کی چھوٹی بہن شبو بیا۔ بڑی اچھی ہیں۔'' شوکت نے لڑکی کی تعریف کرتے ہوئے ان سے تعارف کرایا۔ ''اور یہ... یہ ہیں میرے دوست اور مہمان خان صاحب اور بالے صاحب۔''

''تو یہ آپ کے مہمان ہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ''رسالیدار صاحب۔'' وہ اس موٹے آدمی سے مخاطب ہوئی۔

''جی بیا۔'' وہ اٹینشن ہو کر بولا۔

''ذرا آدمی دیکھ کے بات کیا کیجیے۔'' اس کا لہجہ قدرے درشت ہو گیا۔

''بیا، میں سخت نالائق ہوں، مجھے معاف کر دیجیے۔'' وہ خوشامد کرنے لگا۔

''آپ لوگ اندر تشریف لایئے نا۔'' اس نے انھیں کوٹھی میں چلنے کو کہا۔

''ارے ہاں ہاں، چلیے نا۔ اس میں کائے کا تکلف۔'' شوکت نے خان سے کہا۔

وہ صرف مسکرا دیا اور اس لڑکی کے پیچھے وہ سب اس کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ اس کا ڈرائنگ روم شاندار تھا۔ فرش پر دبیز ایرانی قالین بچھی تھی اور اس پر قدیم شاہی طرز کا ایک صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔ دیوار پر قدِ آدم تصاویر آویزاں تھیں، جو شاید کوٹھی کے پرانے مالکوں کی تھیں۔ ان کے علاوہ ان کے پرانے ہتھیار بھی ٹنگے ہوئے تھے۔ جڑاؤ دستے والی بھاری تلواریں، خنجر،

کرپانیں، ڈھالیں، ہرنوں اور بارہ سنگھوں کی کھوپڑیاں۔

وہ سب یہیں بیٹھ گئے۔نوکروں کو شاید پہلے سے ہی معلوم تھا کہ مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے،اس لیے بلائے بغیر ہی وہ ایک ٹرے میں ان کے لیے چائے، سینڈوچ اور کاجو وغیرہ لیے آپہنچے۔

''آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟'' نوابزادی نے خان سے پوچھا،مگر اس کی نظریں بالے کے چہرے پر تھیں اور بالے کسی پرانے احمق کی طرف اس ماحول سے بے تعلق ان تصویروں کو دیکھ رہا تھا۔

''جی، بمبئی سے۔'' خان نے مختصراً جواب دیا۔

''اور شوکت میاں،اس تکلف کی ضرورت بھی کیا تھی، مہمانوں کو شکار ہی کھلانا تھا تو ہماری شکارگاہ میں لے آئے ہوتے۔'' وہ شوکت سے بولی،مگر خود شوکت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کے جلوؤں میں سرتاپا غرق ہو چکا تھا۔پچھلی بار اب سے کئی سال پہلے جب اس نے اسے دیکھا تھا تو وہ ایک دس بارہ سال کی شوخ وشریر لڑکی تھی،مگر اب تو وہ سراپا قیامت نظر آرہی تھی۔

''جیاں جیاں۔'' وہ چونک کر بول اٹھا۔حالانکہ اس نے اس کا جملہ بھی نہ سنا تھا۔

''کیوں، بیٹے، ہوگئے نا ریشہ خطمی۔'' بالے نے شوکت کو کہنی مار کر آہستہ سے کہا۔

''تم خدہوئے ہوگے ریشہ تخمی۔میاں خاں، یہاں تو چپ بیٹھو۔'' شوکت نے برا ماننے والے موڈ سے کہا۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن اس تمام گفتگو کے دوران شوکت اسے بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا اور اس کی توجہ زیادہ تر بالے کی طرف تھی۔بالے بھی اسے محسوس کیے بغیر نہ رہا۔مگر اول تو خان پاس ہی بیٹھا تھا، دوسرے وہ خود بھی مخصوص اور اس اچانک قسم کی توجہ سے گھبرا سا گیا تھا۔کچھ دیر کے بعد ایک ملازم نے اندر آکر خبر دی کہ بیگم صاحبہ بھی تشریف لے آئی ہیں۔ساتھ ہی انھوں نے کوٹھی کے باہر کسی کار کے رکنے کی آواز بھی

سنی۔

وہ اچھے ڈیل ڈول کی سرخ وسفید عورت تھی۔حسن اور تندرستی جیسے دونوں نعمتیں قدرت نے اسے ایک ساتھ عطا کی تھیں اور اس کے باوجود خدوخال سے وہ ۲۸۔۳۰ سالہ عورت معلوم ہوتی تھی۔اس کے پرکشش ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک اور ہونٹوں پر شوکت جیسے ہزار احمقوں کو قتل کر دینے والی مسکراہٹ نمایاں تھی۔اسے دیکھتے ہی نہ صرف شبو، بلکہ تقلید میں سب ہی کھڑے ہو گئے۔

''یور ہائی نس۔''شوکت نے کسی قدر جھک کر اس کا خیر مقدم کیا۔

''ارے، شوکت میاں، آپ؟'' بھئی کب آئے؟ میں نے تو سنا تھا کہ آپ ہمیشہ کے لیے اس شہر سے انتقال فرما گئے ہیں۔''اس نے شوکت پر نظر پڑتے ہی ہنستے ہوئے کہا۔

''بیا، انتقال فرمائیں میرے دشمن، میں کائے کو۔وہ تو بمبئی میں اپنا بزنس کر لیا تھا، فرصت ملی ای نئیں کہ یہاں آتا۔''شوکت نے زیادہ شستہ قسم کی اردو بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔مگر خان بھی اس جملے پر مسکرا دیا۔پھر شوکت نے بڑی بیگم سے بھی ان کا تعارف کرایا۔وہ بڑی خوش مذاق اور پر اخلاق شخصیت ثابت ہوئی، مگر نہ جانے کیوں اس کی نگاہیں بار بار خان کے پر وقار ڈیل ڈول کا جائزہ لینے لگتیں۔شوکت سے نہ رہا گیا۔وہ بالآخر سرگوشی کے لہجے میں بالے سے بول ہی اٹھا۔

''لو خان صاحب گئے کام سے۔''

''کیا مطلب؟''بالے نے پوچھا۔

''اے لو، دیکھو نا، کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں اور وہ سالی بیگم صاحبہ بھی تو ریشہ خطمی ہو جا رہی ہے۔''

''ابے، عطار کی دم، ریشہ خطمی کہا کرو۔کتنی بار ٹوک چکا ہوں۔''

''میں کہتا جاؤ۔میرا جو جی چاہے گا کہوں گا۔بلکہ ریشہ خطمی کہونگا۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''اور لو، تیرِ نگاہِ ناز کے گھائل مائل کو ریشہ خطمی میں تو کیا بھلا چنگا کہیں گے۔''

''تم گدھے ہو پورے۔''

''میاں خاں، تم خود۔یانی کہ یہاں ذرا زبان دو اپنی لگام کو...''

''آپ لوگ کسی معاملے پر بحث کر رہے ہیں؟''شبوان کے درمیان ٹپک پڑی۔

''جی ہاں، وہ شکار کی ہی بات ہو رہی تھی۔شوکت بھائی کا خیال ہے کہ اصل ذات کے شیر کے دم نہیں ہوتی۔''بالے نے جلدی سے کہا۔

''میں، یہ کاں کہا ہے میں نے، یانی کہ ہوتی ہوگی۔''شوکت گڑبڑا کر بولا۔

''اوہ، بہت دلچسپ۔''وہ ہنس پڑی اور خان اور بڑی بیگم بھی ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''جی صرف یہی نہیں، بلکہ کہہ رہے تھے کہ گینڈے سے میں اکیلا کشتی لڑ سکتا ہوں۔''

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ۔''وہ یہ کہہ کر پھر ہنس پڑی۔

''ارے نئیں، بیا، یہ اپنی طرف سے ٹھونک رہے ہیں۔میں تو یہ بول رہا تھا کہ کتنی اچھی کوٹھی ہے اور کیا عمدہ ڈھال تلواریں لٹک رہی ہیں۔''

''آپ کو ان میں سے جو پسند ہو، لے سکتے ہیں۔''وہ شوکت سے بولی۔

''تلوار تو ان کے خاندان میں شاید کسی نے نہ چلائی ہوگی۔''

''اور وہ سردار دوست محمد خاں کیا تمہارے باپ دادا تھے؟''شوکت بالے پر بگڑ گیا۔

''ارے ارے، آپ کو تو غصہ آنے لگا۔''شبو نے مسکراتے ہوئے شوکت کو ٹوکا۔

''غصے کی تو بات ہی ہے۔یہ میرے خاندان کی توہین میں کہہ رہے ہیں، حالانکہ سوائے میرے، سب کے پاس تلواریں تھی۔''

Akram Allahabadi

"خیر ہوگی ہونگی ۔انھیں معلوم نہ ہوگا اس لیے کہہ دیا ہوگا ۔وہ شوکت کو سمجھانے لگی ۔

"نہیں آپ کو مالوم نہیں، بیا، یہ آدمی ہی جلنتر ہیں ۔" شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اب تھوک بھی دو غصہ، ڈیئر، ہم یہاں مہمان ہیں ۔" بالے اسے چمکارنے لگا۔

"نہیں تھوکتا، جاؤ ۔اتنا بدتمیز نہیں ہوں میں ۔"

شوکت کے اس جواب پر شبو کا قہقہہ چھوٹ گیا اور بیگم خیرا گڑھ پھر ادھر متوجہ ہو گئیں ۔

"اور ابھی تک آپ لوگوں کے نام بھی ہمیں معلوم نہیں ہوئے ۔یہ شوکت میاں ایسا ہی ادھورا تعارف کراتے ہیں ۔" بیگم خیرا گڑھ نے خان سے کہا۔

"نئیں ہمَیا، وہ تو... یانی کہ یہ بمبئی میں پو..."

"جی ہاں، پولسن کمپنی کا منیجر ہوں میں ۔" خان اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بول اٹھا ۔" میرا نام سکندر بیگ ہے ۔" یہ کہتے ہوئے خان نے آنکھ سے شوکت کو اشارہ کر دیا اور وہ سٹ پٹا کر چپ ہو رہا۔

"اور خاکسار مچھندر اینڈ مچھندر کمپنی کا نمائندہ ہے، جسے نام کے اعتبار سے دارا بھائی تارا بھائی پلٹن والا کہتے ہیں ۔"

"بڑا لمبا نام ہے آپ کا؟"

"جی ہاں، ہماری بمبئی میں تو اس سے بھی دو چار گز طویل نام ہوا کرتے ہیں ۔"

"بھئی خوب، یہ سکندرا اور دارا کی جوڑی بھی خوب رہی ہے ۔" بیگم خیرا گڑھ نے ہنس کر کہا۔

"اسی اتفاق نے تو ہمیں ایک دوسرے سے واقف کرایا تھا ۔" خان جلدی سے بول پڑا ۔وہ چاہتا تھا کہ بالے کی زبان کو بے لگام ہونے سے روک دے ۔

Akram Allahabadi

اس رسمی تعارف کے بعد پھر شکار وغیرہ کی باتیں ہونے لگیں اور بیگم خیر اگڑھ کے اس اسرار پر کہ وہ آج یہاں ٹھہر کر کل ان کے ساتھ شکار کھیلیں، وہ وہیں اسی کوٹھی میں ٹھہر گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سکندر و دارا

شام کے وقت جب خان اور بالے دونوں کوٹھی کے باہر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، شوکت شبو بیا کی کار میں ان کے ساتھ شہر گیا ہوا تھا۔ خان نے خود ہی بالے کو چھیڑ دیا۔ وہ اس وقت خوشگوار موڈ میں تھا۔

''بیگم خیر اگڑھ کی چھوٹی بہن تمہیں بہت گھور رہی تھی؟''

''جبھی آپ بیگم خیر اگڑھ کی ایک ایک ادا پر قربان ہوئے ہوئے جا رہے تھے۔''

''میری فکر چھوڑو، لیکن تمہاری خیر نہیں معلوم ہوتی۔''

''کیوں؟''

''مجھے یہ کافی دل پھینک عورتیں معلوم ہوتی ہیں۔''

''اللہ کی دین ہے۔ اس کو تو کہتے ہیں کہ آگ لینے کو جائیں اور پیغمبری مل جائے۔''

''خاصی حجامت ہو جائے گی، بالے صاحب۔''

''بالے صاحب بھی کوئی لقمۂ تر نہیں ہیں۔''

''دیکھ لیں گے۔''

''شوکت البتہ اس چھوٹے فتنے پر ہزار جان سے مرمٹا ہے۔''

''اس کی عادتیں خراب کرنے والے بھی تم ہو۔''

''سبحان اللہ، ایک میں ہی تو شیطان پیدا ہوا ہوں اس کلجگ میں، باقی تو سب فرشتے ہیں۔''

''خود ہی سمجھ بوجھ لو۔ عقلمند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔''

''آپ ہیں کس خیال میں، وہ گدھا تو اس معاملے میں میرا بھی قبلہ و کعبہ واقع ہوا

ہے۔ میں تو محض تفریحاً ہی ایسی حرکتیں کرتا ہوں، لیکن وہ کمبخت تو سنجیدگی سے ہر در پر صدا دینے لگتا ہے۔'' بالے نے شوکت کی تعریف کی۔

''بھئی، مجھے تو یہاں کافی بوریت محسوس ہو رہی ہے، کیا خیال ہے اگر واپس چلا جائے؟''

''یعنی بمبئی؟''

''اور کیا؟''

''اور وہاں پہنچتے ہی آپ پر فرائض کا بھوت سوار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ پھر خاکسار کی بھی شامت ہی شامت ہے۔''

''وہ تو یہاں بھی نظر آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے یہاں ہوتے ہوئے اگر ایک آدھ کیس اور ہو گیا تو خواہ مخواہ مجھے اپنی ٹانگ پھنسانی پڑے گی۔''

''کیوں؟''

''مجھ سے برداشت نہ ہو گا۔''

''تو کیا آپ اسے کسی سلسلہ جرائم کا شاخسانہ سمجھتے ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں اتنا گوبر بھرا ہوا ہے۔ کیا تم اس بیسویں صدی میں ایسی بلاؤں اور مافوق الفطرت واقعات پر یقین کر سکتے ہو؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''یہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں۔''

''نہیں، بالے صاحب، یہ کوئی پراسرار سلسلہ ہے، جس کا مقصد اگر سمجھ میں آ جائے تو میں اس کے آڑے آ سکتا ہوں۔''

''وہ الف لیلیٰ کے خواب تو سمجھ میں آ سکتے ہیں، مثلاً ایسے ہی واقعات ٹینی مخلوق والے کیس میں لڑکیوں کو پیش آ چکے تھے، جو راتوں کو کسی شہزادے کی مہمان ہوا کرتی تھیں اور

پھر آنکھ کھلنے پر اسی کے لیے آہیں بھرا کرتیں۔''

''خدا کا شکر ہے، اتنی عقل تو آئی تمہیں۔''

''مگر یہ خونخوار بلا کیا چیز ہو سکتی ہے؟''

''بظاہر تو دونوں واقعات ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق اور مختلف معلوم دیتے ہیں۔''

''تو پھر کسی درندے کی کارفرمائیاں ہوں گی۔''

''بکواس ہے، مضافات میں بھی کسی خونخوار درندے کا گزر نہیں ہے اور پھر ایسا ہوتا تو یقیناً اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور جاتا۔''

''یہ شہر آسیبی روایات کا شہر ہے، یہاں کے تو ہم پرست لوگ ایسے واقعات پر گہرا یقین رکھتے ہیں۔''

''یہ سب جہالت کی برکتیں ہیں، مگر تم تو اتنے جاہل نہیں ہو۔''

''میں نے بھی طلسمِ ہوشربا پڑھی ہے۔''

''تو جاؤ جھک مارو، میرا دماغ مت چاٹو۔''

''وہ لیجیے، ڈیئر سکھٹ مع اپنی جان جہاں آفریں کے تشریف لے آئے۔'' اس نے خان کی توجہ احاطے کی طرف مبذول کرتے ہوئے کہا۔ شوکت شبو کے ساتھ اس کی کار سے اتر رہا تھا اور ملازم ساتھ لائے ہوئے کچھ پیکٹ پچھلی سیٹ سے نکال رہے تھے۔ شبو نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے ایک نظر مسکرا کر بالے کی طرف اور پھر خان کی طرف ڈالی اور اندر چلی گئی۔ شوکت جھینپا جھینپا سا ان کی طرف بڑھ آیا۔

''کہاں گئے تھے، شوکت میاں؟'' خان نے خود اس سے ہنس کر پوچھا۔

''کہیں تو نہیں، یعنی کہ ذرا ہوا موا خوری کرنے گیا تھا شبو بیا کے ساتھ۔''

''ہوا موا خوری، یا نی کہ کیا؟'' بالے نے اسی کے انداز سے اس سے سوال کیا اور

خان نے اپنی ہنسی چھپانے کے لیے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

"اے لو، پھر یاد کر بیچ اور مانئے۔ارے یانی کہ وئی ...چہل قدمی یانی کی تفری۔" شوکت سنجیدگی سے بولا۔

"چہل قدمی کار پر چڑھ کر کی جاتی ہے؟" بالے نے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا تمہارے سر پر چڑھ کے کی جاتی ہے۔" شوکت منہ بنا کر بولا۔

"خان صاحب کے سامنے مزاخ مت اڑاؤ میرا۔" دوسرا جملہ اس نے ذرا آہستہ سے کہا تا کہ خان نہ سن لے۔

مگر خان نے سن لیا تھا اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"رات ڈھلے شکار پر چلنا ہے، بہتر ہوگا کہ کچھ دیر آرام کرلیا جائے۔"

"آپ آرام کیجیے، میں ذرا شوکت بھائی کی مزاج پرسی کروں گا کچھ دیر۔"

خان کوئی جواب دیے بغیر چلا گیا اور اب شوکت کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"تو کیا کرو گے مزاج کرسی یانی کہ پرسی، بولو۔"

"ابے مرکھنے بیل کی طرح ہر وقت لڑنے کے موڈ میں کیوں رہنے لگے ہو تم۔"

"اس لیے کہ تم خطرے کی گھنٹی ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ شبو بیا تمہیں دیکھ کر کاہے کو مسکرا رہی تھیں؟"

"ان سے پوچھ لو جا کے۔"

"میں ساب سمجھتا ہوں۔تم نے ضرور ڈورے ڈالے ہوں گے۔"

"کیا تمہارے باپ کی جاگیر ہے وہ؟"

"میاں خاں، باپ ماپ تک مت پہنچو۔ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔"

"ابے تو کیا کہا ہے میں نے؟"

"تم اسے دیکھ کے کائے کو ہنسے تھے؟"

"تو کیا رونے لگتا؟"

"وہ تو سچ کہا ہے کسی نے کہ پولیس والے سالے طوطے کی آنکھ ہوتے ہیں۔"

"اچھا بکواس بند کرو، پہلے یہ بتاؤ تم اس کے ساتھ گئے کہاں تھے؟"

"شہر گیا تھا۔"

"راستے میں کیا کیا ہوا؟"

"میں بتاتا جاؤں، تم جل جاؤ گے۔"

"اچھا نہیں جلونگا، بتاؤ۔"

"وہ کہنے لگیں، شوکت میاں تم تو ایسے غائب ہوتے ہو جیسے گدھے کے سر سے سینگ، میں نے کہا 'بیا، میں گدھا نہیں، آدمی ہوں تو وہ جلدی سے چمکارنے لگیں کہ میں نے ضرب تقسیم ...نہیں کچھ اور بولا تھا..." وہ اٹک کر سوچنے لگا۔

"ضرب المثال۔"

"ہاں، یہی۔ کہنے لگی، 'میں نے تو ضرب مثال بولی تھی، آپ برا مان گئے۔ میں نے دل میں کہا، 'تم سو جوتے بھی مارو تو کان برا مانتا ہے۔ تم تو جانِ جہاں ہو، پھر کہنے لگی، 'شوکت میاں، ہم بمبئی آئیں گے تو آپ کے یہاں ہی ٹھہرینگے'، میں نے کہا بیا سر آنکھوں پر، تو ہنسنے لگی۔"

"اور کیا بولیں؟"

"کہنے لگیں، 'آپ نے شادی مادی بھی کی کہ کنوارے ہی ہیں ابھی؟"

"تم نے کہہ دیا ہوگا کہ بیا، میں تو جنم جنم کا کنوارہ ہوں۔"

"نہیں نہیں، میں نے تو کہا کہ ابھی تو نہیں کی، کوئی پسند آ گئی تو کرلوں گا۔ پوچھنے لگی، 'کیسی لڑکی پسند آئے گی آپ کو'، میں نے دل میں کہا، ارے تم جیسا یوسف ثانی کون ہوگا۔"

''ابے گدھے، یہ مثال مردوں کے لیے دی جاتی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ میں نے تو دل میں کہا تھا، منہ سے تھوڑی کہا تھا۔''

''خیر خیر، پھر؟''

''میں بولا، 'بیا، کوئی آپ جیسی چندے آفتاب چندے ماہتاب مل جائے تو سرے مل کرلوں گا۔'' شوکت نے کہا۔

''خدا قسم شاہکار ہو پورے۔ ابے آفتاب لوٹے کو کہتے ہیں۔''

''ارے جاؤ، میاں خاں۔ میں نے خود ایک کتاب میں پورا جملہ پڑھا تھا۔ یعنی کہ چندے آفتاب چندے مہتاب وغیرہ، پھر اورت کے لیے آفتابئیں بولیں گے تو کیا تمہارا سر بولیں گے۔''

''چلو خیر، پھر کیا ہوا؟''

''بیا خوب ہنسیں، پھر رک کر کہنے لگیں، 'تو کیا میں اِتّی خوبصورت ہوں'۔ میں نے جلدی سے کہا، 'بیا، آپ کا تو قوہ کاف میں بھی جواب نئیں ہوگا'۔''

''یہی تم پری بیگم کے بارے میں بھی کہہ چکے تھے۔''

''ارے لانت بھیجو، میاں خاں۔ کاں وہ کاں یہ۔ زمین سے آسمان کا فرق ہے۔''

''تو پھر وہ تم سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں؟''

''نئیں، وادا (وعدہ) کیا ہے کہ میں اپنی جیسی ہی لڑکی ڈھونڈوں گی آپ کے لیے۔''

''آپ پورے چغد ہیں۔ وہ اپنے منہ سے تھوڑی کہہ دیتیں کہ ہاں میں شادی کروں گی تم سے۔ اس جملے کا مطلب تو یہی ہوا کہ وہ راضی ہیں۔''

''اللہ قسم؟'' شوکت اچھل پڑا۔

''بڑے گاؤدی ہو، یار۔''

Akram Allahabadi

''تم خدگاؤدُم ۔اچھی خاصی بات میں گائی کائے کو دیتے ہو۔''

''یہ تو پیار کے بول ہیں، ڈیئر سکھٹ ۔مگر سمجھ رکھو کہ انھوں نے تمھیں پسند کرلیا ہے، بس اب تیاریاں شروع کردو۔''

''کائے کی؟''شوکت نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''یانی شادی مادی کی۔''وہ اسی کے لہجے میں بولا۔

''ارے نئیں۔''وہ شرما گیا۔

''تمہارے سر کی قسم۔''

''بالے بھائی،تم بھی پوچھ دیکھو نا ان سے،بات اور صاف ہوجائے گی۔''

''اچھا میں بھی پوچھوں گا۔''

''مگر کہیں اپنا نمبر مت لگا دینا۔''

''اطمینان رکھو،اپنا نمبر تو تمہارے بعد ہی لگے گا۔''

ابھی گفتگو یہیں تک ہو پائی تھی کہ اندر سے ملازم نے آکر بالے کو پیغام دیا کہ شبو بیا اندر یاد فرما رہی ہیں۔''

''اکیلے؟''شوکت سے پوچھے بغیر نہ رہا گیا۔

''شاید تمہارے لیے ہی بلایا ہو۔''بالے نے اٹھتے ہوئے چپکے سے کہا۔

''اللہ کرے۔''وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

اور بالے زیرِلب مسکراتا ہوا اندر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شکار

دوسرے دن وہ سویرے شکار گاہ میں بیگم خیر اگڑھ اور ان کی بہن کے ساتھ شکار کھیل رہے تھے۔ بیگم خیر اگڑھ خان کی طرف راغب نظر آ رہی تھیں۔ حالانکہ خان کا رویہ محتاط تھا۔ وہ ان کے کردار کو کسی حد تک سمجھ چکا تھا، لیکن وہ اس قدر بے تکلف بھی نہیں ہوئی تھیں کہ جس سے ان کے وقار کو ٹھیس لگ سکے۔ اور خان کا طرزِ عمل بھی کسی قدر مؤدبانہ تھا۔

ہرن جب دور سے ہی بچ کر بھاگ گئے تو نوبت خرگوشوں کے شکار تک آ گئی۔ بالے اور شوکت دونوں شبو کے ساتھ تھے۔ اور وہ جب ہنس ہنس کر بالے سے باتیں کرنے لگتیں تو شوکت کے سینے پر اژدھے لوٹنے لگتے۔ بیگم خیر اگڑھ کے تین مخصوص شکاری کتے جو بلدہا ؤنڈ نسل کے تھے، ساتھ تھے۔ وہ کافی خوفناک معلوم ہوتے تھے۔ شکار کے لیے کیونکہ یہاں کار لانے کا راستہ نہیں تھا، اس لیے گھوڑے استعمال کیے گئے تھے۔ اور سب سے بڑی مصیبت شوکت کی تھی۔ وہ اپنی بے ڈول جسامت کو گھوڑے کی پیٹھ پر مشکل سے سنبھالے تھا اور ڈر کے مارے اس سے گھوڑا تیز نہیں دوڑایا جاتا تھا۔

اچانک بیگم خیر اگڑھ کو ایک ہرن نظر آ گیا، بندوق کا نشانہ تو خطا گیا، مگر انھوں نے کتے چھوڑ دیے۔ وہ تیر کی طرح ہرن کے پیچھے دوڑے اور چشم زدن میں جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ بیگم خیر اگڑھ نے اپنا گھوڑا ان کے پیچھے ڈال دیا اور خان بھی ساتھ دیے بغیر نہ رہا۔

"کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچ سکے، جہاں ایک ٹیلے کے نشیب میں کتوں نے اس ہرن کو جا لیا تھا۔ وہ اسے بری طرح سے نوچ رہے تھے، جھنجوڑ رہے تھے۔ اور ان کے پہنچتے پہنچتے ہرن کی تکا بوٹی ہو چکی تھی۔

"دیکھا آپ نے؟ میرے کتے کتنے اچھے شکاری ہیں۔" بیگم خیر اگڑھ نے فخریہ

لہجے میں کہا۔

''اس میں کیا شک ہے۔'' خان مسکرایا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ بیگم خیر اگڑھ بھی اتر گئیں۔ کتے انھیں دیکھتے ہی پاس آ گئے۔ مگر خان اس نچے ہوئے ہرن کو دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں وہ اسے اتنی غور سے دیکھ رہا تھا۔ بیگم خیر اگڑھ بھی اسے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

''کیا بات ہے؟'' انھوں نے پوچھا۔ اور خان چونک پڑا۔

''آپ کے کتے بڑے خونخوار ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''یہ کیا ہے، میرے کتوں نے تو چیتے اور تیندوے مارے ہیں۔'' وہ فخر سے بولیں۔

''میرا خیال ہے کہ انھیں کسی آدمی پر چھوڑ دیا جائے تو اس کی بھی بوٹیاں نوچ ڈالیں۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

اس نے اس تغیر کو نظر انداز نہیں کیا جو اس جملے سے بیگم خیر اگڑھ کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ خدا جانے انھیں یہ جملہ ناگوار گزرا تھا، یا خان کا اندازِ کلام، یا شاید کوئی اور ردِ عمل ہو۔

وہ شام کو واپس لوٹے۔ دوپہر انھوں نے ان چھولداریوں میں گزاری تھی، جو ان کے آرام کے لیے نصب کی گئی تھیں۔ لیکن بالے یہ اندازہ لگائے بغیر نہ رہا کہ خان کچھ کھویا کھویا ہوا سا ہے۔ اس سے نہ رہا گیا تو بول ہی اٹھا۔

''معلوم ہوتا ہے آپ کو بھی وہ ہو گیا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''وہی جو بھائی شوکت کو ان کی بیوی سے ہو گیا ہے۔''

''تم جانتے ہو کی میں ان بیہودگیوں کا قائل نہیں ہوں۔''

''مجھے غالب کا وہ شعر یاد ہے، یعنی ہے وہ آتش غالب جو لگائے نہ لگے اور..''

''بس بس، میں حماقت نوازی کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''موڈ تو کافی سنجیدہ معلوم ہو رہا ہے آپ کا، بالعموم تازہ تازہ عاشقوں کی بھی یہی

کیفیت ہوا کرتی ہے۔" بالے کی زبان نہ مانی۔

"میں کروں اظہارِ عشق تمہاری کھوپڑی پر۔"

"میں بیگم خیر اگڑھ نہیں ہوں، یور ہائی نس۔"

"بالے، میں سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں۔"

"کہ آپ کو کسی نہ کسی پر مرمٹنا ہی چاہیے۔" بالے نے بات پوری کر دی۔

"پھر بکواس۔" خان جھنجلا گیا۔

"تو کیا شادی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں آپ؟"

"ایک واقعے کے بعد سے بیگم خیر اگڑھ مجھ سے کچھ کتراتی نظر آ رہی ہیں۔" خان بڑبڑایا۔

"ہائے، یہی فلسفہ تو آپ آج تک سمجھے نہیں، سمجھ جاتے تو وان ہیری بن جاتے۔"

"میں سمجھاؤں تمہیں یہ فلسفہ؟" خان کا ہاتھ اٹھ گیا۔

"مم... مجھے معلوم ہے۔ اچھا آپ کس واقع کا ذکر کر رہے تھے؟"

"بس تھا ایک۔"

"کوئی پیشکش کی ہوگی آپ نے۔"

"سور، آج تمہاری شامت آ رہی ہے۔"

"تو پھر بتاتے کیوں نہیں؟"

"ابھی میں خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔"

"کیا کوئی پراسراریت؟"

"صبر سے کام لو۔ ہم بہر حال آج ہی یہاں سے جا رہے ہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ مگر شوکت ضرور گڑبڑ کرے گا۔"

"وہ نہیں مانے تو اسے یہیں رہنے دو۔"

Akram Allahabadi

لیکن نہ جانے کیوں اسی شام کو شوکت بھی شبو سے یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ وہ اسے کوئی لفٹ نہیں دے رہی ہے، بلکہ بدلی بدلی سی ہے۔ ممکن ہے یہ اس کی اپنی حماقتو کا ردِعمل ہو۔ وہ پہلے تو یہی سمجھا کہ شاید بالے نے اس کا تختہ الٹ دیا ہوگا، مگر جب اس نے خان اور بالے کو واپسی کے لیے تیار دیکھا تو وہ بھی دوسرے ساتھیوں سمیت تیار ہو گیا۔ حالانکہ بھیا میاں قسم کے آدمی مہمان ہونے کے معاملے میں کافی ڈھیٹ واقع ہوئے تھے، مگر کیونکہ شوکت کے ساتھ آئے تھے، اس لیے سب کو واپس لوٹنا پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

گھر پہنچ کر خان نے بالے کو جو ڈیوٹی سپرد کی وہ عجیب و غریب تھی، لیکن اسے اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی گئی تھی۔ خان نے اس سے کہا تھا کہ وہ شام کے اوقات میں بلا سبب ادھر ادھر اور زیادہ تر شو نے مقامات پر اکیلا بھٹکتا پھرے۔

بالے نے لاکھ کوشش کی وہ اس عجیب ہدایت کا سبب بتا دے، مگر وہ اتنا ہی کہہ کر رہ گیا۔ اور قہر درویش بر جانِ درویش کے مقولے کے مطابق اسے اس پر عمل کرنا پڑا۔

وہ راستے بھر یہی سوچتا رہا کہ اس حکم کا مقصد کیا ہو سکتا ہے، مگر بعض اوقات خان کے احکامات اس کی باتیں عجیب سی ہوا کرتی تھیں۔ وہ کافی دیر تک اس حکم کی تعمیل کرتا رہا، مگر نہ کوئی واقعہ اسے پیش آیا نہ کوئی ایسی بات ہوئی جسے قابلِ غور کہا جا سکے۔ وہ جب واپس لوٹا تو کافی جھنجلایا ہوا تھا۔ خان اس وقت گھر پر موجود نہ تھا، البتہ شوکت برآمدے میں بیٹھا اس کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

''اے لو، تم بھی غائب اور خاں صاحب بھی غائب۔ آخر ماملا کیا ہے یہ؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ تو مجھے بھی معلوم نہیں، بس خاں صاحب کا کہنا ہے کہ بیٹا خوب گھومو پھرو اور

عیش کرو۔"

"تو تم عیش کرنے گئے تھے؟"

"نہیں، آج تو صرف گھومنے پھرنے گیا تھا۔"

"اکیلے اکیلے؟"

"نہیں تو کیا تمہیں ڈارلنگ بنا کر ساتھ لے لیتا؟"

"میاں خاں، زبان سنبھالو، میں کوئی اورت مورت نہیں ہوں۔"

"تو پھر کیوں ایسی باتیں کرتے ہو۔"

"ارے، میرے خدکے سے، جہنم میں جاؤ۔ میرے مہمان ہو، اس لیے پوچھتا ہوں۔"

"میں تمہارا مہمان نہیں ہوں۔"

"پھر کیا باپ ہو میرے۔" شوکت جھنجلا گیا۔

"نہیں، بھائی۔"

"جاؤ جاؤ، میاں، کسی اور کو بنانا۔ سالے بھائی بھی بنتے ہیں اور جڑ بھی کاٹتے پھرتے ہیں۔"

"تم کوئی اخروٹ کے درخت ہو جو میں جڑ کاٹتا پھروں گا تمہاری۔"

"ارے تم خد ہو گے اخروٹ بلکہ ڈبل اخروٹ۔"

اتنے میں باہر کار کے رکنے کی آواز آئی، شاید ٹیکسی تھی کوئی اور پھر خان گاڑی سے اتر کر احاطے میں داخل ہوا۔

"لو آ گئے وہ بھی۔" شوکت چونک کر بولا۔

"ہندوستانی عورتیں اپنے شوہروں کو وہ کہا کرتی ہیں۔" بالے اس کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑایا۔

Akram Allahabadi

"کیا کہا؟ پھر سے کہنا؟" شوکت نے چونک کر کان کھڑے کر لیے۔

"تمہیں تھوڑی کہا، تم کوئی اورت مورت ہو گیا۔ مجھے تو ایک بات یاد آ گئی تھی۔" بالے نے اسی کے لہجے کی نقل کی۔

خان برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔

"تو تم واپس آ گئے؟" وہ بالے کو دیکھ کر بولا۔

"تو کیا رات بھر آوارہ گردی کرتا رہتا۔"

"چاہیے تو یہی تھا، خیر۔" یہ کہہ کر وہ شوکت پر ایک نظر ڈالتا ہوا اندر چلا گیا۔

"خان صاحب اچھے موڈ میں نہیں ہیں۔" شوکت بولا۔

"میں بھی اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔ بھلا یہ بھی بات ہوئی۔ کوئی اتنی مدت کے بعد ذرا آرام کرنے یہاں آئے تو یہاں بھی اوکھلی میں سر۔"

"کاہے کی اوکھلی، کس کا سر؟" شوکت نے پوچھا۔

"تمہارا۔ کیا کرو گے جان کر۔"

"کیوں؟ میرا کاہے کو؟"

"اس لیے کہ اس میں بھیجا نہیں ہے۔"

"تمہارا خدا نہیں ہوگا۔ میں کوئی وہ ہوں یا نی کہ حماقت... نئیں... یانی کہ احمق۔"

"اچھا شوکت بھائی، چھوڑو یہ باتیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ شبو بیا تمہیں پسند ہیں نا؟"

"اللہ قسم، ہزار جان سے۔" شوکت کسی قدر جھینپ کر بولا۔

"تم نے کوئی تگڑے قسم کا عشق نہیں کیا، ورنہ وہ ضرور تم پر مر مٹتیں۔ ہائے کیسی کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی تھی تمہیں۔"

"ارے نئیں خاں، تم کیا جانو۔ یہ سائیں فل پتر ائیں ہیں فل پترائیں۔"

"یہ کیا بلا ہوئی؟"

Akram Allahabadi

''اے لو، وہ تھی نا ایک اورت مصر وصر میں۔''

''اوہ، قلوپطرہ۔'' بالے مسکرایا۔

''ہاں۔ اور نہیں تو کیا۔ کبھی اس سے عشق کرلیا کبھی اس پے مرمٹیں۔ کبھی کچھ بھی سہی۔''

''مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''مجھے شمو نے بتایا۔ وہ پہلے ان کے یہاں نوکری کر چکا ہے۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بالے کا اغوا

اس رات سب جلدی ہی سو گئے، کیونکہ تھکے بھی ہوئے تھے اور ویسے بھی کیونکہ یہاں بمبئی جیسے شاندار ہوٹل، کلب اور تفریح گاہیں نہ تھیں، اس لیے بالے بھی بور ہو رہا تھا۔ اور شوکت کا بھی دل اچاٹ ہو چلا تھا۔

شوکت نے ان میں سے ہر ایک کے لیے سونے کے کمروں کا علیحدہ علیحدہ انتظام کیا تھا۔ بالے نے سونے سے پہلے ہی گھوڑے بیچ دیے اور پھر ذہن کو ہر طرف سے خالی کر کے خراٹے لینے لگا۔

شاید آدھی رات کا وقت ہوگا، جب سوتے سوتے اچانک خان کی آنکھ کھل گئی۔ شوکت کی کوٹھی کے باہر دو آوارہ کتے جو کوٹھی کے باورچی خانے کی پچھلی کھڑکی کے باہر کچرے کے ڈبے سے جوٹھے کھانوں اور ہڈیوں کی آس لگائے احاطے کے باہر انتظار میں گشت لگایا کرتے تھے کہ کب موقع پائیں اور کب احاطے میں داخل ہو کر اپنی خوراک حاصل کریں۔ اچانک بھونکنے لگے تھے۔ خان کی آنکھ ان کے شور سے ہی کھلی تھی۔ وہ ہمیشہ کھٹکے کی نیند ہی سویا کرتا تھا۔

غیر ارادی طور پر وہ سلیپر میں پیر ڈالتا ہوا تیزی سے کھڑکی کی طرف آیا اور اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ جھٹکے سے کھول دیے۔ اس کے کانوں نے اسی وقت کسی کار کے سڑک سے گزرنے کی آواز سنی۔ وہ شاید اسے کوئی اہمیت نہ دیتا، مگر اسے کچھ ایسا شک ہو گیا کہ احاطے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہاں کوٹھی کا کوئی چوکیدار نہ تھا۔ اور نہ ہی اس ماحول میں اس کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔

خان نے سرہانے سے اپنا ریوالور نکال کر گون کی جیب میں ڈالا اور ٹارچ لے کر

باہر نکل آیا۔کوٹھی میں سب سو رہے تھے۔اور نوکروں کے کوارٹروں کی طرف سے بھی خراٹے سنائی دے رہے تھے۔وہ پہلے اپنے شبے کی تصدیق کرنے دروازے پر ہی پہنچا اور اس نے دیکھا کہ دروازہ صرف بھیڑ کر رکھا گیا ہے، بند نہیں کیا گیا۔

کسی اچانک خیال نے اسے چونکا دیا اور وہ پلٹ کر لمبے لمبے قدم رکھتا بالے کے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے کا بستر خالی تھا۔وہ کمرے میں بھی نہ تھا۔کمرے کی پچھلی کھڑکی دیکھ کر یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہ پیش آئی کہ بالے یہاں سے خود اٹھ کر نہیں گیا ہے۔کیونکہ اس کی سلیپرز یہیں موجود تھیں۔اور بستر پر شکنیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔کھڑکی کی سمت چادر کا ایک کونہ گھسٹ کر نیچے لٹک گیا تھا۔اسے ضرور اغوا کیا گیا تھا۔مگر اس قدر اہتمام اور خاموشی سے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی۔یہ خان کی اپنی رہائش گاہ ہوتی تو مجال نہ تھی کہ پرندہ بھی پر مارے۔اس کے گرے ہاؤنڈ ساری رات کھٹکے کی آواز پر بھی چونکتے رہتے تھے۔مگر یہاں تو نہ کتے تھے نہ چوکیدار اور نہ ہی کسی ایسے واقعے کا امکان۔وہ تو عام شہریوں کی حیثیت میں یہاں مہمانوں کی طرح ٹھہرے ہوئے تھے۔خان یہاں کی سڑکوں گلیوں سے پوری طرح واقف نہ تھا، اس لیے اس نے فوراً ہی شوکت کو اس کے کمرے سے اٹھایا۔وہ گھبرا گیا کہ آدھی رات کو کیا مصیبت پیش آ گئی ہے۔اور خان نے اسے بتایا کہ بالے کوٹھی سے غائب کیا گیا ہے۔تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے، لیکن بہر صورت خان کے چہرے پر کسی قسم کے پریشانی کے آثار نہ تھے۔شوکت البتہ پریشان ہو گیا۔

کار اس وقت گیرج سے نکال لی گئی اور خان نے اتنی دیر میں کپڑے پہن لیے۔وہ اسی وقت محض اس اندازے پر کہ شاید گشتی پولیس والوں سے کسی ایسی کار کا سراغ مل جائے جو

Akram Allahabadi

اسی سڑک کی طرف سے ابھی کچھ دیر پہلے آتی دکھائی دی ہو۔

مگر بے سود۔ یہاں کی پولیس شب گشتی کے معاملے میں زیادہ مستعد نہیں معلوم ہوئی۔ انھیں مختلف سڑکوں پر گشت لگانے کے باوجود کوئی گشتی کانسٹیبل نظر نہیں آیا۔

''اب کیا ہوگا، خان صاحب؟'' شوکت نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تو چاہتا تھا کہ وہ لوگ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں جس سے مجھے ان کا شیرازہ بکھیرنے کا موقع مل جائے۔'' خان نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''کون لوگ؟'' شوکت نے پوچھا۔

''جنھوں نے یہ حرکت کی ہے۔ تم نہ سمجھ سکو گے، مگر انھوں نے خود ہی اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔ شاید انھیں معلوم نہ ہوگا کہ ہم لوگ کون ہیں؟'' خان کے لہجے میں اس بار غصے کی جھلک تھی۔

''شامت تو بے شک آئی ہے ان سالوں کی، مجیں تو آپ سے ٹکرانے کی ہمت کیسے کرتے۔''

''چلو، اب آرام سے سوئیں گے۔'' خان کے اس اطمینان بھرے لہجے نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔

''مگر بالے بھائی کا کیا ہوگا؟'' شوکت نے بے چینی سے کہا۔

''کچھ نہیں، اس کی قسمت میں راوی نے عیش لکھا ہے، لیکن سوچنا یہ ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔''

''پہلے اسے ایک شاندار دعوت دی جائے گی اور پھر سولی پر چڑھایا جائے گا۔''

''اور آپ چڑھ جانے دیں گے؟''

Akram Allahabadi

''میں غافل نہیں ہوں، ویسے وہ بھی کوئی لقمہ تر نہیں ہے۔''

''پولیس میں رپورٹ لکھوائی جائے یہاں؟''

''تم لکھا سکتے ہو، میں اپنے طور پر کام کروں گا۔''

''کیا لکھاؤں؟''

''یہی کہ تمہارا ایک مہمان سوتے سوتے غائب ہوگیا ہے۔'' خان نے گول سی بات کردی۔

''میں آج ہی لکھاتا ہوں۔'' شوکت بولا۔

''ہُم۔'' خان یہ کہہ کر خاموش ہورہا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے کی جب آنکھ کھلی تو وہ حیران حیران سا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یقیناً وہ رات کو اپنے کمرے میں سویا تھا، لیکن وہ اس وقت کہاں تھا، کہاں جنت میں؟ مگر ابھی تو وہ زندہ تھا۔ زندہ ہی تو تھا۔ وہ اپنے ہاتھ پیر ٹٹولنے لگا، مگر یہ مقام کون سا ہے اور وہ یہاں کیسے آیا۔ وہ ایک رنگ برنگے پھولوں سے لدے ہوئے خوبصورت باغ میں ایک سنگِ مرمر کے کنارے سبزے پر پڑا ہوا تھا۔ حوض سے فوارے پھوٹ رہے تھے، جن سے مختلف رنگوں کی پانی کی دھاریں چھوٹتی تھیں۔ چاروں طرف سناٹے کا راج تھا۔ وہ کھڑا ہوکر حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ قطعی غیر مانوس سا مقام تھا۔ باغ کی کیاریاں اور روشیں سب قدیم طرز پر بنائی گئی تھیں۔ وہ ابھی کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک نقرئی آواز نے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ ایک گندمی رنگ کی نوجوان لڑکی تھی، جس نے کچھ اس قسم کا لباس پہن رکھا تھا، جیسا عہدِ قدیم کی شاہی کنیزیں پہنا کرتی تھیں۔

''صاحبِ عالم۔'' اس نے بالے کے سامنے کسی قدر جھک کر کہا۔

Akram Allahabadi

''میرا نام عالم نہیں، سارجنٹ بالے ہے۔''

''نہیں، حضور، صاحبِ عالم ہیں۔''

''ارے واہ، یہ کوئی زبردستی ہے۔ ہم نہ صاحب ہیں نہ عالم۔ مگر تم کون ہو؟''

''میں حضور کی ایک ادنیٰ کنیز۔''

''باپ رے، تو میں کیا ہوں؟'' بالے اچھلا۔ پھر خود ہی اس کی نظر اپنے لباس کی طرف چلی گئی۔ پھر اس نے دیکھا کہ واقعی وہ شہزادوں جیسا لباس پہنے ہوئے ہے۔

''حضور، قصرِ زمرد میں ہیں۔'' کنیز بولی۔

''مگر یہاں کیسے آئے؟''

''حضور، شہزادی شبدیز کے مہمان ہیں۔''

'یہ کیا بلا ہوتی ہیں؟''

''یہاں کی شہزادی اور آپ کی... آپ کی...'' وہ کہتے کہتے شرما گئی۔

''کی کیا؟'' بالے نے کسی ہونق کی طرح منہ کھول کر پوچھا۔

''کنیز اتنی بے تکلفی کی جرأت نہیں کر سکتی۔''

''ارے مگر میں تو ایک چمار ہوں، ایک الو کا پٹھا ہوں۔ میرے آبا و اجداد کی ہزار پشتوں میں کوئی شہزادہ وغیرہ نہیں ہوا ہے۔ میں تو کل تک حجامت کا پیشہ کرتا رہا ہوں اور آج آنکھ کھلی تو...'' بالے نے ایک چال کھیلی۔

''یہ حضور کی انکساری ہے۔''

''لو، یوں بھی زبردستی۔ اچھا لو ہم شہزادہ... شہزادہ... کیا ہیں؟''

''حضور حضور ہیں۔''

''ارے ہمارا نام وغیرہ کیا ہے؟''

''شہزادہ بدیع الزمان۔''

Akram Allahabadi

''اور باپ کا نام نیکی الزمان ہوگا؟''

''حضور کو بہتر علم ہے۔'' کنیز نے یہ کہہ کر اپنا منہ آنچل سے چھپا لیا۔ شاید وہ ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اچھا تو ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟''

''حضور کو شہزادی شبدیز نے یاد فرمایا ہے۔''

''کیوں یاد فرمایا ہے؟'' ''یعنی نہ جان نہ پہچان اور خالہ بی سلام۔''

کنیز کا فرض پیغام پہنچانا تھا، اب حضور جو فرمائیں، وہاں عرض کر دوں۔'' کنیز نے عرض کی۔

''ہم فرماتے ہیں کہ تمہاری ملکہ عالیہ اکو کی بیٹھی ہیں۔''

''یہ عرض کرنا میری جرأت سے بعید ہے۔''

''تمہاری ملکہ کون ہوتی ہیں ہمیں بلانے والی؟''

''حضور کی وہ...'' کنیز یہ کہہ کر شرما گئی۔

''ارے واہ، ہماری وہ... یہ چوکھٹا دیکھا نہ نام سنا، اور وہ ہو گئیں۔ اچھا چلو دیکھیں کیسی واقع ہوئی ہیں۔''

''تشریف لے چلیے۔''

بالے ہر چہ بادا باد کے مقولے پر عمل کرتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔ حالات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے، لیکن نہ جانے کیوں اس کا ذہن کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو یہ کچھ اسی قسم کا واقعہ ہے جیسا اس آہنی بنگلے والے لڑکے کو پیش آیا تھا۔ یا وہ بھی کسی ذہنی خلل کا شکار ہو گیا ہے۔

ایک کشادہ روش سے گزرتے ہوئے وہ ایک محراب نما دروازے پر آ گئے۔ یہ واقعی کوئی قدیم طرز کا قصر ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دروازے پر ایک سیاہ فام حبشی غلام چوڑا سا کھانڈا لیے کھڑا تھا۔ بالے کو دیکھتے ہی وہ ادب سے جھک گیا۔ کنیز آگے آگے رہنمائی کر رہی تھی

اور یہ طے کرنے کے بعد کہ تاوقتیکہ جان پر نہ بن آئے، وہ کوئی اقدام نہیں کرے گا، اس کے پیچھے چلتا رہا۔ وہ اب ایک ایسی گیلری سے گزر رہے تھے جس کے دونوں طرف منقوش ستون کھڑے تھے۔ فرش سنگِ کوسیٰ کا تھا جس میں چلنے والوں کا عکس جھلکتا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف گھوم کر وہ ایک ایوان نما ہال سے گزرے جہاں کچھ اور کنیزیں تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر متعجب ہو گئیں اور دونوں سمت ہٹ کر انھوں نے اس کے لیے راستہ بنا دیا۔

سامنے والے محرابی دروازے میں داخل ہو کر وہ ایک آراستہ اور شاندار کمرے میں پہنچ گئے جس کے فرش پر دبیز قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر پچکاری کی ہوئی تھی اور ایک تخت نما مسہری آراستہ تھی۔ درمیان میں ایک جگہ چند کنیزیں رباب لیے بیٹھی تھیں اور سامنے اس تخت پر ایک خوبصورت سرخ و سفید شہزادی نیم دراز تھی۔ اس کا لباس چست اور باریک تھا اور دور سے ہی دیکھنے پر وہ بڑی پرکشش معلوم ہوتی تھی۔ بالے نے رہنمائی کرنے والی کنیز کو روک لیا۔

''کیا یہی ہیں تمہاری شہزادی آبدوز؟''

''شہزادی شبدیز۔'' کنیز آہستہ سے بولی۔

''ہاں ہاں، وہی۔''

بالے کے آگے بڑھتے ہی وہ شہزادی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکراتی ہوئی اس کے استقبال کے لیے بڑھی۔ اس کے اندازِ خرام میں بھی ایک لوچ نمایاں تھی، جو بار بار اس کے اعضا کے تناسب کو ابھار دیتی۔

''آیے آیے، تشریف لایے۔'' وہ کھنکتی آواز میں اس کے قریب آ کر بولی۔

''آپ کی تعریف؟'' بالے نے منہ بنا کر اسی سے پوچھا۔

''ارے، اپنی کنیز کو نہیں جانتے آپ؟'' اس نے مسکرا کر منہ وا کر دیا اور بالے واقعی اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے اس کے خدوخال کچھ تھوڑے سے مانوس نظر آئے، لیکن اس کی آنکھوں کے پپوٹوں پر قدیم مصری طرز سے نیلگوں روغنی رنگ لگا تھا

اور رخسار کی تابانی کو سرخ سرخ رنگ سے ابھارا گیا تھا۔ بالوں کی لٹیں سنوارنے کا ڈھنگ بھی کچھ ایسا ہی تھا، جس کی وجہ سے اس کی شکل اس صدی کی عورتوں سے مختلف اور انجانی ہی نظر آتی تھی۔

''نہیں پہچان سکا؟'' یہ کہہ کر بالے نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''کوئی بات نہیں۔ خواب سے بیداری کا اثر ہوگا دماغ پر۔ آیئے نا، میں کب سے آپ کی منتظر تھی۔'' یہ کہہ کر وہ بالے کا ہاتھ تھام کر چلنے لگی اور بالے نے بھی کسی کٹھ پتلی کی طرح اس کی مرضی پر چلنا شروع کر دیا۔ اس نے بالے کو لا کر اس تخت نما مسہری پر اپنے پاس بٹھا لیا اور پھر کنیزیں مدھم سروں میں رباب بجانے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک کنیز ایک طشت میں جام وصبو لے آئی۔ شہزادی نے اپنے ہاتھوں سے جام بھر کر بالے کی طرف بڑھا دیا۔ بالے نے جلدی سے دونوں کان تھام لیے۔

''توبہ توبہ، میں اور اس حرام شے کو منہ لگاؤں۔''

''لیجیے حضور، یہ تو شہزادوں کا خاصہ ہے۔''

''اونہوں نہہ۔'' بالے نے دوبارہ انکار کیا۔

''نہیں، آپ کو ہمارے سر کی قسم۔''

''ہائے سر کی کیوں؟ پیر کی قسم دی ہوتی نا۔'' بالے ترنگ میں آ گیا اور اس میں شک نہیں کہ وہ جتنی حسین تھی اس کے پیر بھی اتنے ہی خوبصورت تھے۔ بہر حال اس نے جام تھام لیا اور جیسے ہی شہزادی کی نگاہیں پھر صراحی کی طرف پلٹیں، اس نے بڑی چالاکی سے جام اپنی آستین میں خالی کر دیا۔ دوسرا جام وہ خود چڑھا گئی اور پھر تیسرا بھرنے لگی۔ یہ جام بھی اس نے بالے ہی کو پیش کی اور اس کا بھی وہی حشر ہوا، مگر اب اسے سرور میں آنے کی اداکاری کرنی تھی اور وہ اس نے شروع کر دی۔

''میں جنت میں آ گیا ہوں؟'' اس نے کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے شہزادی

سے پوچھا۔

''یہ جنت ہی تو ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''بے شک بے شک۔ اور تم اس کی حور ہو گی؟''

''یونہی سمجھ لیجیے۔''

''سمجھ لیا۔''

''کیا؟'' وہ ایک قاتل ادا سے لہرا کر بولی۔

''میں نے پچھلے جنم میں ضرور کوئی خاص نیکی کی ہو گی۔ ارے ہاں، یاد آیا۔ میں نے ایک بندر کے انڈے سے ہاتھی برآمد کیا تھا۔'' وہ لڑکھڑائے سے لہجے میں بولا۔

''ہاتھی؟ بندر کے انڈے سے؟'' شہزادی نے دہرایا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اس میں ہنسنے کی قون... کونسی بات ہے۔ بندر کا نہیں تو سکندر کا ہو گا... ہیچ...''

''اور بھی کوئی نیکی کی تھی؟'' شہزادی نے سرور میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اب اس نے اپنا سر بالے کے سینے پر ٹیک دیا تھا۔

''ہاں، ایک اور۔ میں نے ایک آدمی کی دُم کاٹ کر... نہیں مونچھیں کاٹ کر گلہری کی دم چپکا دی تھی، بس پھر بھائی کا نام عبدالرؤف دُم نہیں، گلہری مشاہور ہو گیا۔ آج تک دعائیں دیتے پھرتے ہیں مجھے مع بال بچوں کے۔''

''شہزادی سرور میں تھی اس لیے اس کے قہقہے رکنے کا نام نہ لیتے تھے، مگر اس وقت اچانک اس ہنسی میں بریک لگ گیا اور وہ سب چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہاں ایک نیم باریک ریشمی لباس میں ایک خوبصورت خدوخال کی تندرست اور سڈول بدن والی عورت کھڑی تھی۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ عورت شہزادی کو گھور رہی تھی۔

''ہاپ کی تاریف؟'' بالے نے ایک جام اور اٹھا کر جھومتے ہوئے پوچھا۔

''ملکہِ عالیہ۔'' شہزادی نے آہستہ سے کہا۔

''کیسی چھالیا؟ ہم پان کب کھاتے ہیں...یعنی کہ بیچ...پان بیچنے آئی ہیں یا چھالیہ۔''

''چپ رہو، خدا کے لیے۔'' وہ اس کا ہاتھ دبانے لگی۔

''ارے واہ، کائے کو چپ راہوں۔ وہ عورت ہمیں غور جو راہی ہے۔ اے، ایسے کائے کو غورتی ہو کہ...کہ...'' اور یہاں رک کر وہ گانے ہی لگا۔ ''ایسی ناظروں سے مت غور و کہ ہمیں پیار ہا جائے...اے اے اے...بیچ...آجائے۔ اے اے اے...اہے واہ...ایسی نظروں سے ویسی نظروں سے...بیچ...غورے جاؤ سالی...ہمارے باپ کا کیا جاتا ہے..اے...''

مگر شہزادی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے میز پر دھکیل دیا اور خود اٹھنے لگی۔ بالے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''کہاں چلیں؟ میری پولسن کا فی اینڈ بٹر۔''

''چھوڑو، تم یہیں بیٹھو، ملکۂ عالیہ ناراض ہو گئی ہیں کچھ۔''

''تو کیا کرلیں گی شوکت بھائی کے خدسے۔'' اس نے یہ جملہ اتنی معصومیت سے ادا کیا کہ شہزادی کو ہنسی آتے آتے رہ گئی، مگر وہ گھبرائی ہوئی سی تھی، اس لیے اسے وہیں چھوڑ کر اس عورت کی طرف چل دی۔ بالے بھی اس کے پیچھے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا، مگر ٹھیک اسی وقت دو سیاہ فام حبشی اندر داخل ہوئے اور انھوں نے اسے بازوؤں سے تھام لیا۔

''ارے تو کیا ان کے وہ ہو، ینی کہ بھائی، مگر ئیں۔ تو م...بیچ...مگر وہ تو انڈے جیسی سفید اور تو م...بیچ...تو م کوے جیسے کالے۔ نائیں نائیں، تم ضرور اس جنت کے غلمان ہو گے۔ بیچ...ہے نا...'' مگر ان دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ باریک لباس والی عورت دوسرے کمرے میں داخل ہو کر شہزادی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''مگر وہ مجھے پسند ہے۔''

''ہم ہر چیز کو ایک خاص وقت تک پسند کرتے ہیں۔''

''تو کل واپس کر دوں گی۔'' شہزادی بے بسی سے بولی۔

Akram Allahabadi

"نہیں۔سورج نکلنے سے پہلے اس کی زندگی ختم ہونی چاہیے۔بس تمہاری دلچسپی کے لیے اتنا ہی وقت کافی ہے۔"

"مم...مگر..."شہزادی نے کہنا چاہا۔

"میرے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوا کرتے۔" یہ کہہ کر وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی۔اور شہزادی سوچتی رہ گئی۔وہ جب دوبارہ بڑے کمرے میں آئی تو اس کے بشرے پر پھر پہلے کی سی تازگی تھی اور بالے کو وہ دونوں حبشی پکڑے کھڑے تھے۔وہ کھڑا کھڑا بڑبڑا رہا تھا اور جھوم رہا تھا۔شہزادی کو دیکھتے ہی مخاطب ہوگیا۔

"ارے منع کرو نا یہ تمہارے کل بجنکوں کو۔میں شہزادہ بادی عل زماں ہوں نا...ہچ..."

چھوڑ دو انھیں۔"شہزادی نے تحکمانہ لہجے میں ان دونوں سے کہا اور وہ اس کے بازو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔

"اچھا کیا تم نے بُکیں تو میں غصے میں آنے ہی والا تھا۔" وہ اس کے ساتھ پھر اس مسند کی طرف چلتے ہوئے بولا۔

"ان کا سرمۂ نور بنانا...ہچ...اصلی دانت کا منجن بنانا اور...اور..."

"بس بس اتنا ہی کافی ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھر ان دونوں کی طرف پلٹی۔"تم جاؤ، میں پھر بلا لوں گی۔"

وہ دونوں ادب سے سر جھکا کر پیچھے ہٹے اور باہر چلے گئے۔بالے انھیں مچی مچی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

"چلے گئے...ہچ...وہ گھر میں خوشی بن کے آئے اور آگ...اور...آگ لگا لے چلے گئے...ہچ...چلے گئے سالے۔کوئلے خاں۔"

اور پھر وہ مدہوشی کے عالم میں مسند کے قریب پہنچ کر لڑکھڑا کر کرسی پر گر پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بالے کی لاش

سویرے جب شوکت کی آنکھ کھلی تو اس نے خان کو بھی غائب پایا۔اس نے شور مچا مچا کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔نوکروں پر بے تحاشا گالیاں پڑنے لگیں۔جن میں کچھ اس کی اپنی ایجاد کردہ تھیں اور کچھ سنی سنائی، لیکن سب نے ہی اس بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔خان کو باہر جاتے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔اور شوکت کو کبھی خان کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے طریق کار یا عادتوں سے واقف ہو سکتا۔وہ سمجھا جس طرح اچانک رات کو بالے غائب ہو گیا اسی طرح خان پر بھی کچھ گزری ہو گی۔پہلے تو اس کی سمجھ میں یہی نا آسکا کہ ایسے واقعات کیوں پیش آرہے ہیں، مگر پھر یہ سوچ کر شاید یہ ان کے کسی نامعلوم دشمن کی حرکت ہو، اس نے یہی ضروری سمجھا کہ مقامی پولیس سپرنٹنڈنٹ کو اس کی اطلاع کر دی جائے۔اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔

وہ سویرے سویرے ہی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلے پر پہنچ گیا اور اس سے یہی سب سے پہلی حماقت ہوئی کہ اس نے اسے خان اور بالے کی اصل شخصیت سے بھی آگاہ کر دیا۔

سرپنٹنڈنٹ یہ سنتے ہی چونک پڑا۔

''تو وہ حضور احمد خاں تھے؟'' اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں ایشیائی شہرت کا مالک تھا اور خصوصاً پولیس کے حلقے تو اس کے کارناموں کا لوہا مانتے تھے۔سپرنٹنڈنٹ رام سنگھ کی سمجھ میں نہ آیا کہ سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ ایسا واقعہ کیسے پیش آسکتا ہے۔وہ کوئی اتنی لاپرواہ اور کمزور شخصیت تو نہیں جن پر اتنی آسانی سے کوئی ہاتھ ڈال سکتا۔مجرم تو خود اس کے نام سے کانپتے تھے، لیکن اسے حیرت یہ تھی کہ وہ اتنے دنوں سے اسی شہر میں موجود تھا اور کسی کو اس کی خبر نہ تھی، ورنہ کم از کم وہ اس سے ملنے کی کوشش

ضرور کرتا۔ بالے کی شخصیت بھی اس کے لیے دلچسپی کا باعث تھی۔ خان کے ساتھ ساتھ بالے کا نام بھی ہر جگہ مشہور تھا۔ اور ہر شخص جو خان سے ملنے اور اسے دیکھنے کا اشتیاق رکھتا بالے کے لیے بھی اسے اتنا ہی اشتیاق ہوتا۔

سپرنٹنڈنٹ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ شوکت کے الفاظ پر یقین کرے یا نہ کرے۔ ویسے شوکت بھی یہاں کے با حیثیت رئیسوں میں تھا اور اس سے کسی دروغ بیانی کی بھی توقع نہ تھی۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو مجھے کہاں تلاش کرنا چاہیے۔'' وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگا۔

''بمبئی میں کوئی گم ہو جاتا ہے تو چوکی چوکی اطلاع کر دیتے ہیں۔ میں نے تو بالے بھائی سے یہی سنا ہے۔'' شوکت نے گویا اسے رائے دی۔

''وہ تو خیر ایک عام طریق کار ہے، مگر کیا یہاں کسی سے ان کے تعلقات تھے؟''

''مُیں تو، وہ تو میرے ہی مہمان ہو کر پہلی بار یہاں آئے تھے۔''

''کوئی ان سے ملنے آیا تھا؟''

''ایسا بھی مُیں ہوا۔''

''ایسا بھی نہیں ہوا، ویسا بھی نہیں ہوا تو پھر اس طرح غائب کون کر لے گا ان لوگوں کو۔'' سپرنٹنڈنٹ جھنجلا کر بولا۔

''میں کیا جانوں، میں کوئی خفیہ پولیس ہو کیا۔'' شوکت نے معصومیت سے کہا۔

''اف فوہ، عجیب بات ہے۔ اس شہر میں بڑی بڑی عجیب باتیں ہونے لگیں ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ بڑبڑانے لگا۔

''میں تو ان کی تلاش میں زمین میں آسمان کر دوں گا۔'' شوکت اٹھتے ہوئے بولا۔

سپرنٹنڈنٹ اس عجیب سے جملے پر اس کی شکل دیکھنے لگا، مگر کچھ بولا نہیں، شاید وہ

کسی اور خیال میں کھویا ہوا تھا۔

''میں نے تو ان آفیسرز کو کبھی دیکھا نہیں، مگر کیا آپ ان کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔'' ایس پی نے پوچھا۔

''اے لو، حلیہ ملیہ کائے کا، جدھر کھڑے ہو جائیں، دو چار ہزار میں نظر آئیں گے۔ یہ لمبا تگڑا قد قیامت۔'' وہ قامت کی مرمت کرتے ہوئے بولا۔ ''رعب دار چہرہ جسے ڈانٹ دیں پیشاب...''

''بس بس، حلیہ بتایئے صرف۔'' سپرنٹنڈنٹ نے اسے ٹوک دیا۔ شاید اس نے اس کے طرزِ گفتگو کا اندازہ کر لیا تھا۔

''رنگ گورا، مونچھیں باریک ہیں اور سارجنٹ بالے بھی تگڑا نوئیں ہے، مگر کم بھی نئیں ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ آپ حلیہ بھی ٹھیک سے نہیں بتا سکتے۔''

''اور نئیں تو کیا میں اپنا سر بتا رہا ہوں۔'' شوکت نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔

''خیر خیر، میں ان کی تصویریں حاصل کر لوں گا۔ مجھے یاد ہے پولیس میگزین میں بار بار ان کی تصویریں شائع ہو چکی ہیں۔''

''تو میں اب کیا کروں؟''

''آپ بھی ان تمام جگہوں پر انھیں تلاش کیجیے جہاں وہ آپ کے ساتھ کبھی کبھی گئے ہوں اور میں تو شہر گیر تلاش شروع کروا ہی رہا ہوں۔'' سپرنٹنڈنٹ نے اس سے کہا۔

شوکت بھوت اچھا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مگر جس وقت وہ گھر واپس پہنچا، اسے شمو سے ایک وحشتناک خبر سننے کو ملی۔

آج پھر ایک کیس ہو گیا تھا۔ ایک نچی ہوئی لاش آج پھر پائی گئی تھی۔

شہر کے باہر لال گھاٹی کے بائیں سمت شہرِ پناہ کی شکستہ تاریخی فصیل کے نیچے۔

Akram Allahabadi

ذرا سی دیر میں ہی خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگوں پر ایک نامعلوم سی دہشت مسلط ہوگئی۔ آخر وہ کونسی خونخوار بلا تھی جس نے تہلکہ مچا کر رکھا تھا اور کوئی اس پر قابو پانے والا نہ تھا۔شوکت ابھی اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا سوچ ہی رہا تھا فون کی گھنٹی بجنے لگی۔شوفون یہیں اٹھا لایا۔

''ہالا۔''شوکت نے بے دلی سے رسیور اٹھا کر کہا۔

''میں رام سنگھ بول رہا ہوں،شوکت صاحب۔''

''اوہو،سپرنٹنڈنٹ صاحب،فرمایئے فرمایئے،کیا بات ہے؟''

''صبر پناہ کی شکستہ فصیل کے باہر ایک لاش پائی گئی ہے۔''

''جیاں،میں نے بھی سنا ہے۔''

''مجھے ڈر ہے کہ وہ ان میں سے ہی کسی کی نہ ہو۔''سپرنٹنڈنٹ کا لہجہ پر تشویش زدہ تھا۔

''ارے ایسا نئیں ہوسکتا،خان صاحب کو بھلا کون مارے گا۔وہ اکیلے سینکڑوں پر بھاری ہیں اور بالے بھائی بھی کوئی ہنسی کھیل نئیں ہیں۔''

''اف فوہ۔آپ تو بحث کرنے لگے۔وہ لاش سول اسپتال لائی جا چکی ہے۔آپ فوراً وہاں پہنچ جایئے۔''

''اچ چھا۔''شوکت نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔''نہ جانے کیوں اسے بھی کچھ شبہ سا ہونے لگا تھا۔وہ اسی وقت کار میں بیٹھ کر سول اسپتال روانہ ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

اس لاش کو دیکھتے ہی اس کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔اس کے بدن پر جو سلیپنگ سوٹ تھا،اور پارہ پارہ نظر آرہا تھا،اسے شوکت ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔کیوں کہ اتفاقاً اسے یہیں سلوایا گیا تھا اور کپڑا خود شوکت نے ہی پسند کیا تھا۔لاش ننگے پیر ہی تھی اور یہی

Akram Allahabadi

نہیں بلکہ اس کی کلائی میں جو گھڑی بندھی ہوئی تھی وہ بھی بالے کی ہی تھی اور شوکت اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ لاش کو اس طرح نوچا گیا تھا کہ اس کی شناخت تو ناممکن تھی، مگر اس کا سر بھی پھٹ گیا تھا اور کچھ خون بہہ کر بالوں کو لتھ پتھ کر چکا تھا۔ یہ تصور کرتے ہی کہ یہ سارجنٹ بالے کی لاش ہے۔ شوکت کے دل کو ایک دھچکا سا لگا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دل ڈوب رہا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ بالے اس سے لڑتا ہی رہتا تھا۔ وہ اسے پریشان بھی کرتا تھا اور شوکت اسے طوطے کی آنکھ، خودغرضیے اور نہ جانے کیا بنا ڈالتا، لیکن ان کی دوستی بڑی پرخلوص اور پرمحبت تھی۔ کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ان کی شدید سے شدید لڑائی بھی چند گھنٹوں سے آگے بڑھی ہو۔ شوکت نے بڑے ضبط سے کام لیا، ورنہ اس کے آنسو تو امڈے آ رہے تھے۔

''آپ نے پہچانا اس لاش کو؟'' سپرنٹنڈنٹ رام سنگھ نے اس سے پوچھا۔

''بالے بھائی۔'' شوکت کے بیٹھے ہوئے حلق سے آواز نکلی۔ اور پھر پلکیں بھیگ گئیں۔

''صبر سے کام لیجیے، شوکت صاحب۔'' سپرنٹنڈنٹ نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔

''مگر خان صاحب کا پتا نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''ہائے۔'' شوکت نے لمبی ٹھنڈی سانس بھری۔ ''سب مجھ گدھے کے بچے کی وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں انھیں یہاں بلاتا نہ یہ ہوتا۔'' یہ کہہ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ کر رو دیا۔

سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ ڈاکٹر بھی اسے سمجھانے لگا اور وہ اسے باہر لے آئے۔

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ نے بہرحال پوسٹ مارٹم کے بعد بھی لاش شوکت کے سپرد نہ کی۔ اسے بتایا کہ اس سلسلے میں اس نے ٹرنک کال پر بمبئی پولیس سے ہدایت مانگی ہے اور تب تک اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

Akram Allahabadi

شوکت جب گھر واپس لوٹا تو اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔شمو اور تمام ملازم سوالیہ نشانوں کی طرح برآمدے میں کھڑے تھے۔شوکت نڈھال سا برآمدے میں ہی آرام کرسی پر گر پڑا۔

''کیا ہوا، میاں؟ کس کی لاش تھی؟''شمو نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ابے میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ جوتا لے کر اپنا سر پیٹوں؟''شوکت اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔

''کائے کو، میاں، خدا نہ کرے ایسا کیا ہو گیا ہے؟''

''ابے کیا نہیں ہوا، یہ پوچھ۔ہائے، اپنے بالے بھائی اس حرامزادی بلا پر پیارے ہو گئے۔''

''نہیں میاں؟ اللہ قسم؟''شمو کو یقین ہی نہیں آیا۔

''اور لو، سالے تو میں جھوٹ بولتا ہوں۔اِئے جوتے ماروں گا کہ شہر گنجا ہو جائے گا۔''شوکت کی زبان شدید غم و غصے کے عالم میں بہکنے لگی۔

''میاں کل کا مرتا آج مر جاؤں، اگر میں نے آپ کو جھوٹا سمجھا ہو۔جھوٹا میں خود، میرا باپ، میرے باپ کا بھی باپ۔''شمو یہ کہہ کر وہیں اپنے دونوں کان تھام کر اٹھک بیٹھک شروع کر دی اور اگر شوکت اس وقت غمزدہ نہ ہوتا تو اسے واقعی ہنسی آ گئی ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ رام سنگھ دوپہر کے کھانے کے بعد اپنے بنگلے سے نکل کر کار میں بیٹھ گیا۔وہ اس وقت آج والے کیس کی دھن میں کھویا ہوا تھا، لیکن کار اسٹارٹ کرنے کے بعد اسے اس کا احساس ہوا کہ کار کی پچھلی نشست پر کوئی اور بھی موجود ہے۔اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے عقبی آئینے کو ٹیڑھا کر دیا۔

Akram Allahabadi

''گاڑی چلنے دیجیے۔''پیچھے سے آواز آئی۔

ایس پی رام سنگھ نے دیکھا وہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو الٹے ہوئے کالروں والا کوٹ پہنے ہوئے تھا،شکل سے کوئی اجنبی معلوم ہوتا تھا۔

''کون ہو تم ؟''ایس پی بے بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''دوست ہی ہوں،دشمن نہیں۔''اس نے پیچھے سے جواب دیا۔

''مگر اس طرح چوری سے میری کار میں بیٹھنے کا کیا مطلب؟''

''میں اپنی شخصیت کو ابھی راز میں ہی رکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا کام ہے مجھ سے؟''

''آپ خونخوار بلاؤں والا کیس حل کرنا چاہتے ہیں؟''

''مگر تم کو اس سے کیا واسطہ؟''

''شاید میں آپ کی مدد کر سکوں۔''

''کیا مدد کر سکو گے؟''

آپ آج رات سیوینا پہنچ سکیں گے،۱۲ بجے سے پہلے؟''

''سیوینا...؟ کیوں؟''سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

''وہاں آپ کو بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''سیوینا تو ایک غیر آباد علاقہ ہے۔''

''لیکن کیا بڑے نواب کی بارہ دری بھی غیر آباد ہے؟''

''اوہ،وہ بارہ داری؟ کیوں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ بھی مدت سے ویران ہی پڑی ہے۔اس کے بارے میں تو شاید اس علاقے میں طرح طرح کی روایات بھی مشہور ہیں۔''

''کیا آپ بھی ان پر یقین رکھتے ہیں؟''

''میں ان حماقتوں کو وہم پرستی سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔''

Akram Allahabadi

''لیکن سیوینا کی ندی کے اس پار کے لوگوں نے اکثر اس بارہ دری میں آدھی رات کو روشنی ہوتی دیکھی ہے، لیکن کوئی قریب جائے تو یہ روشنی غائب ہو جاتی ہے۔ کیا یہ بھی کوئی وہم ہو سکتا ہے؟''

''ہو کیوں نہیں سکتا، مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ اس مقام سے آپ کو شاید کوئی سراغ مل جائے۔''

''میں ان فضولیات میں نہیں پڑنا چاہتا، اگر کچھ معلوم ہے تو صاف صاف کہو۔''

''کم از کم آج کی رات تو آپ اس کی خفیہ نگرانی کر کے دیکھیں۔''

''اور جو بات غلط نکلی تو؟''

''آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔''

''مگر تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تم کون ہو اور کیوں ان معاملات سے دلچسپی لے رہے ہو۔''

''وقت آنے پر بتا دوں گا، لیکن جو کچھ کر رہا ہوں وہ قانون کے حق میں ہی ہے۔''

''مجھے پراسرار قسم کی باتیں پسند نہیں ہیں۔ تم اب میری کار سے اتر سکتے ہو۔''

''شکریہ، لیکن یاد رکھیے گا، بڑے نواب کی بارہ دری۔''

''میرا وقت مت برباد کرو۔'' سپرنٹنڈنٹ جھنجلا گیا۔ ''مگر ٹھہرو، اگر تم سچ بول رہے ہو تو تمہیں سب معلوم کیسے ہوا؟ میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کار دھیمی کرتے ہوئے کہا۔

''کار چلنے دیجیے اور اس آئینے کا رخ پھیر دیجیے۔'' اس بوڑھے آدمی نے یہ کہہ کر جیب سے ریوالور نکال دیا۔ سپرنٹنڈنٹ کو کچھ سوچنے کا موقع تک نہ ملا۔ اس نے خاموشی سے آئینے کا رخ پھیر دیا۔

''اب میں سمجھ گیا کہ آپ کون ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ مسکرایا۔

Akram Allahabadi

''جو کچھ کہنا ہے، پیچھے دیکھے بغیر کہیے۔''

''آپ سپرنٹنڈنٹ خان کے سوا کوئی نہیں ہو سکتے۔اس قدر شاندار میک اپ بھی ان کا ہی حصہ ہے۔''سپرنٹنڈنٹ بولا۔

''اوہ،آپ کو کوئی شاندار غلط فہمی ہوئی ہے۔میں اس نام کے کسی آدمی کو جانتا تک نہیں۔''بوڑھے نے ہنس کر کہا۔

''آپ کچھ بھی کہہ لیجیے،لیکن اب مجھے یقین نہ آئے گا۔''

''خیر تو پھر یقین ہی کر لیجیے،لیکن اس یقین کو اپنی ذات تک ہی رکھیے گا،کچھ نامعلوم لوگ میری تلاش میں ہیں،اس لیے مجھے یہ میک اپ کرنا پڑا ہے۔''

''اور تب ہی آپ رات سے غائب ہیں؟''

''یہ آپ کو شوکت نے بتایا ہو گا شاید۔''

''جی ہاں،اور وہ آپ کے اسسٹنٹ سارجنٹ کی موت سے سخت مغموم ہیں۔''

''بالے کی موت؟''خان مسکرا دیا۔

''کیوں،کیا اس میں بھی کوئی راز ہے؟''

''سپرنٹنڈنٹ صاحب،میرا اسسٹنٹ کوئی چوہا نہیں جو اسے مار کر راستے میں پھینک دیا جائے۔میں نے خود اس لاش کو دیکھا ہے،وہ بالے کی تو ہرگز نہیں ہے،مگر کس کی ہے، یہ میں نہیں بتا سکتا،کیونکہ یہ میرا شہر نہیں ہے۔''

''تب تو شکر ہے کہ آپ دونوں بخیر و عافیت ہیں،ورنہ میں تو اپنی بدنامی کے ڈر سے بری طرح پریشان ہو گیا تھا۔''

''میں تو خیر ابھی تک خیریت سے ہوں،البتہ یہ حقیقت ہے کہ بالے کا پتا نہیں ہے، لیکن یقین رکھیے،سپرنٹنڈنٹ صاحب،اگر وہ مجھے صحیح سلامت نہ ملا تو میں ان کی چندھیاں بکھیر دوں گا،چاہے کہاں کی پولیس بھی میرے آڑے آئے۔''

Akram Allahabadi

''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں، کسی بھی قانونی اقدام میں پولیس آپ کا ہر طرح ساتھ دے گی۔''

''ضرورت پڑی تو میں آپ کو ضرور تکلیف دوں گا۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کم از کم اپنا پروگرام ہی مجھے بتا دیجیے، تا کہ میں بھی وقت پڑنے پر کچھ ہاتھ بٹا سکوں۔''

''میں نے تو عرض کیا کہ آج رات ہی اس بارہ دری کی خفیہ نگرانی کرایے۔''

''بہتر ہے، آپ کے کہنے کے مطابق میں یہ بھی کر ڈالوں گا۔''

''اس وقت تو مجھے یہیں راستے میں اتار دیجیے، میں کل کسی وقت آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔''

''آپ کی مرضی، ویسے مجھے بڑی خوشی ہوتی اگر آپ نے مجھے میزبانی کا شرف بخشا ہوتا۔''

''پھر کبھی سہی، ویسے میں نے مناسب نہ سمجھ کر ہی آپ کے گھر آپ سے ملاقات نہیں کی تھی۔''

''اب سہی۔''

سپرنٹنڈنٹ نے یہ کہہ کر کار روک دی اور خان گاڑی سے اتر گیا۔

''اچھا، آپ یہ تو بتا دیجیے کہ آپ کہاں ٹھہرے ہیں تا کہ میں خبر تو لے سکوں۔'' ایس پی نے اس کے جاتے جاتے پوچھا۔

''اسٹیٹ ہوٹل میں، لیکن یہ بات آپ تک ہی رہے۔ وہاں ایم پی ڈیوس کے نام سے ٹھہرا ہوں۔'' خان یہ کہہ کر چل دیا اور ایس پی نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بارہ دری

دور تک بنجر میدانوں اور خاردار جھاڑیوں سے گھرے ہوئے جس علاقے کو سیوینا کہا جاتا تھا، وہ کسی زمانے میں یہاں کے حکمرانوں کی تفریح گاہ رہ چکا تھا۔ پہلے یہاں باغات بھی تھے، لیکن برسہابرس سے اجڑتے اجڑتے اب یہ ویرانہ بن گیا تھا۔ سیوینا کے وسطی حصے میں جہاں بلند درختوں کے جھنڈ تھے، ایک بہت پرانی بارہ دری بنی ہوئی تھی، جسے لوگ پشتوں سے بڑے نواب کی بارہ دری کہتے آئے تھے۔ یہ پچھلے کئی برسوں سے ویران تھی اور سیوینا کے سرے پر ندی کے اس پار دیہاتیوں کی جو آبادی تھی، اس میں اس کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کبھی کبھی اس بارہ دری میں کچھ چیخیں بھی سنائی دے جاتی ہیں۔ کچھ عجیب شور ہوتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ملاحوں نے جو ندی پر رات کے وقت کشتیاں چلاتے گزرے تھے، کبھی کبھی اس بارہ دری میں روشنی ہوتے بھی دیکھی تھی۔ یہ ہمت بہرحال کسی کو نہیں ہوئی کہ رات کے وقت یہاں آکر تحقیق کرتا، البتہ دن کے اوقات میں اگر کچھ لوگ یہاں تک پہنچے بھی تو انھیں اس بارہ دری کے تمام دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ملے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے مدت سے کھولا ہی نہ گیا ہو۔

یہ بارہ دری پتھر کی بنی ہوئی تھی اور اس کے چاروں سمت برآمدہ تھا، جس کی چھت منقش سنگی ستونوں پر کھڑی ہوئی تھی۔ درمیان میں ایک داخلی محراب تھی جس کا دروازہ یقیناً بارہ دری کا صدر دروازہ ہوگا۔ یہ بارہ دری تقریباً نصف میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد زمین کا باقی حصہ چھوڑ کر جو کسی زمانے میں اس بارہ دری کا پائیں باغ رہا ہوگا، ایک قدِ آدم دیوار کا احاطہ تھا جو اب جگہ جگہ سے شکستہ ہو چکی تھی۔ اس احاطے کا بھی ایک محرابی دروازہ تھا، جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن اس پر کوئی قفل نہ تھا۔ اس کی سلاخیں زنگ آلود

ہو چکی تھیں۔ بارہ دری کے چھت پر درمیان میں ایک چھوٹی چار چار دروازے والی بالائی چار دیواری۔ اور ویسے کہنے کو تو یہ عمارت بارہ دری ہی کہلاتی تھی، مگر اس میں چاروں سمت دروازوں کی تعداد دو درجن سے اوپر تھی۔ اس کے اندرونی حصے کس قسم کے تھے، یہ خود اس بستی کے لوگ بھی نہ جانتے تھے، کیونکہ وہ کبھی اندر نہیں گئے اور شاہی مہمانوں یا جاگیرداروں میں سے بھی کوئی یہاں نہ آیا تھا۔ اول تو شہر سے دور، دوسرے ویران ہونے کی وجہ سے لوگوں کو یہاں آتے ہوئے بھی دہشت محسوس ہوتی تھی۔ یہاں دن کے وقت بھی ایسا گہرا سناٹا چھایا رہتا کہ تنہا آدمی ایک نامعلوم سا خوف محسوس کیے بغیر نہ رہتا۔ یہ ویرانی اس وجہ سے اور بڑھی ہوئی تھی کہ یہاں قریب کوئی ایسی گزرگاہ بھی نہ تھی کہ جہاں سے اکا دکا مسافر ہی چلتے رہتے ہوں۔ صرف برسات کے بعد جب میدانوں میں سبز گھاس اگ آتی، نہ جانے کس بستی کے کچھ گڈریے یہاں اپنے ریوڑ سمیت آنکلتے تھے، مگر بارہ دری کے قریب وہ بھی نہ جاتے تھے۔

آدھی رات گزر چکی تھی، لیکن اس بارہ دری کی ویرانی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہی بھیانک سکوت، وہی پرہول تاریکی۔ فصیل کے ساتھ تاریکی میں ایس پی رام سنگھ کے آدمی چھپے ہوئے تھے اور خود ایس پی ایکانسپکٹر کے ساتھ بارہ دری کے عقبی حصے میں نگرانی کر رہا تھا۔ ان کے کان ہر آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ اور کئی بار ایسا بھی ہوا تھا کہ وہ جنگلی خرگوشوں کے جھاڑیوں سے نکل کر دوڑنے کی آواز پر چونک چکے تھے۔

لیکن ٹھیک ایک بجے کے قریب ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ بارہ دری کے ایک گوشے سے شور سا سنائی دیا۔ اور وہ سب اس طرف دوڑ پڑے۔ مگر عقبی برآمدہ تھا جو سونا پڑا تھا۔ آواز یقیناً اسی طرف سے آئی تھی، مگر ٹارچ کی روشنی میں بھی انھیں کچھ نظر نہ آیا۔ ایس پی رام سنگھ اور ان کا نائب انسپکٹر دبے قدموں اس برآمدے میں چل ہی رہے تھے کہ اچانک چھت کی طرف سے کوئی وزنی سی چیز ان کے سامنے آگری۔ وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئے اور ریوالور نکال لیے۔ مگر جب انھوں نے ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل

گئیں۔یہ بھی ایک نچی ہوئی لاش تھی، جس کے بعض حصوں سے اب تک خون رِس رہا تھا۔اس کا سر تو کسی طرح سلامت رہ گیا تھا، مگر چہرہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ شناخت ناممکن تھی۔ایک خاصے قد آور اور تندرست آدمی کی لاش۔

''پناہِ خدا، یہ مصیبت یہاں بھی۔''ایس پی کا نائب انسپکٹر بڑبڑایا۔

''ضرور یہاں کچھ گڑبڑ ہے۔''ایس پی نے کہا۔

''مجھے تو یہ جگہ واقعی آسیب زدہ معلوم ہوتی ہے۔''انسپکٹر صادق نے رائے دی۔

''کچھ بھی ہو، ہمیں اسے اندر سے دیکھنا چاہیے۔''ایس پی نے ضد کی۔

ٹارچ کی روشنی میں انھیں چھت میں بھی کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جہاں سے یہ لاش پھینکی جا سکتی۔

''مجھے معلوم ہے کہ یہ بارہ دری شاہی خاندان کے ایک فرد کی جاگیر ہے۔آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن بلا اجازت ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔بڑی شخصیتوں کا معاملہ ہے۔'' انسپکٹر صادق نے رائے دی۔

''ہاں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''ویسے مجھے تو اس میں کسی ذی روح کے وجود کے آثار نظر نہیں آتے، ممکن ہے ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں، وہ کسی آسیب کا کھیل ہی ہو۔''

''ذاتی طور پر تمھیں ایسے واہموں پر یقین کرنے نہ کرنے کا حق ہے، لیکن ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے یہ خیال احمقانہ ہے۔''ایس پی بڑبڑایا۔

''تو پھر جیسی آپ کی مرضی۔''

''نہیں، چلو ہم دن میں ہی اس جگہ کا معائنہ کر لیں گے۔''

وہ کچھ عرصے تک اور وہاں ٹھہرے اور اس عرصے میں بارہ دری کے تمام کھلے حصوں کا چپہ چپہ چھان ڈالا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

Akram Allahabadi

''پھر یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے اور یہاں کیسے ٹپک پڑی؟'' سپرنٹنڈنٹ، انسپکٹر کے سامنے بڑبڑایا۔

''خدا جانے۔'' انسپکٹر نے کہا۔ وہ اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اس ویران مقام سے اب ایک قسم کی دہشت سی محسوس ہونے لگی تھی اور سپرنٹنڈنٹ یہ سوچ رہا تھا کہ خان خود کیوں یہاں نہیں پہنچا۔

''لاحاصل ہے۔ دن میں ہی شاید ہم یہاں سے کچھ معلوم کر سکیں۔'' ایس پی نے سر ہلایا۔

اس کے کچھ دیر بعد اس نے واپسی کا حکم دے دیا اور پولیس پارٹی نہایت خاموشی سے بارہ دری کے احاطے سے نکل کر اپنی گاڑیوں میں شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

آدھی رات کو ملازموں کا شور سن کر شوکت کی آنکھ کھل گئی۔ ان دنوں ان عجیب عجیب واقعات نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا، پھر بھی وہ ہمت کر کے ٹارچ ہاتھ میں لیے باہر نکل آیا۔

اس نے نوکروں کو برآمدے میں جمع دیکھا۔ وہ شمو کو گھیرے ہوئے تھے۔ شمو کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

''ابے کیا ہوا اسے؟'' شوکت نے جلدی سے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''میاں، یہاں تو بہت بڑا معاملہ ہو گیا۔'' ایک نوکر جلدی سے بولا۔

''صفا صفا بات کرو۔ مجھے موائے (معمے) نہیں چاہئیں۔'' شوکت بگڑا۔

''میاں، وہ خان صاحب والے کمرے میں نہ جانے کاں سے دو آدمی گھسے تھے، وہ جو 'گھڑ' کی آنکھ ہوئی تو شمو خاں کی آواز کھل گئی۔''

''سالے، سیدھا بول، آواز ہوئی تو آنکھ کھل گئی۔''

''ہاں میاں، بس شمو خاں نے چور چور کا شور جو مچایا تو ان میں سے ایک سالا شمو خاں کے سر پے نہ جانے کائے کا ہاتھ مار کے یہ جا وہ جا۔''

''یانی نکل گئے سالے؟''

''میاں، اللہ قسم وہ تو میں دیر میں جاگا ئیں تو مجال تھی کہ کوئی یاں سے چوری کر کے نکل جائے۔'' رحیم بخش نے اپنی وفاداری کے ساتھ ساتھ بہادری بھی جتائی۔

''چل چل رہنے دے۔ معلوم ہے بھوت بہادر ہے تو۔'' شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''وہ تو شمو ہی اچھا تھا، جو لپٹ پڑا سالوں سے۔'' اس نے شمو کی تعریف کی۔

''میاں میری تو جان بھی آپ کے لیے حاضر ہے۔''

''لو، شروع ہو گیا پولسن پالش۔''

''نئیں میاں، جھوٹ بولوں تو سور کا منہ ہو۔'' شمو نے اسے یقین دلایا۔

مگر شوکت تو اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کون تھے اور کیوں یہاں آئے تھے۔ کیا ان کا مطلب خان صاحب پر حملہ کرنا تھا؟ مگر یہاں ان کے دشمن کہاں سے ٹپک پڑے۔

پھر اس کا دماغ یہ سوچنے لگا کہ ایسے موقعوں پر بالے بھائی کیسے سراغ نکالا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسے اتفاقات پر اسے بالے کے ساتھ موجود ہونے کا موقع بھی ملا تھا۔ اور وہ اسے پیروں کے نشان، فنگر پرنٹس اور نہ جانے کیا کیا تلاش کرتے دیکھ کر دل ہی دل میں اسے پولیس والوں کی حماقت سمجھا کرتا تھا۔ بھلا سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ۔ لیکن سراغرسانی کے ان طریقوں کے سلسلے میں اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ ایسے موقعوں پر بالے جائے وقوع کے اطراف میں موجود لوگوں کے بیانات بھی قلم بند کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی کھوپڑی میں یہی پہلی ترکیب کلبلانے لگی۔

''رحیم بخش، کاغذ قلم لاؤ، میں سب کے بیان لکھوں گا۔''

رحیم بخش بے چارہ حکم کا غلام تھا۔فوراً ہی کاغذ قلم لے آیا اور شوکت نے کسی پولیس انسپکٹر کی طرح ایک ایک کا بیان لینا شروع کر دیا۔سب سے پہلے شمو کی باری آئی۔

''تمہارا نام؟''شوکت نے قلم سنبھال کر اس سے کہا اور وہ حیرت سے شوکت کی شکل دیکھنے لگا۔

''اے لو،میری صورت کائے کو دیکھ رہا ہے؟''

''میاں،اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہوا تو نہیں ہے؟''وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

''لو اور لو،ابے میں نام پوچھ رہا ہوں نا تمہارا۔''

''میاں،برسہابرس سے تو آپ کی خدمت کر رہا ہوں،کیا آپ کو میرا نام معلوم نہیں ہے۔''

''ابے چڑی کے اُٹھے،میں قانون سے بات کر رہا ہوں نا۔میں ہی بیان لوں اور میں ہی نام بھی بتاؤں تیرا،عقل گھاس تو نہیں پڑ گئی ہے تیری۔''شوکت نے ناراض ہوئے بغیر کیا۔

''تو یوں کہیے نا میاں،میرا نام شمو خاں ولد ننھے خاں،قوم لوہار،ساکن کبیٹ پورا، شاہجہان آباد۔''

''کیا کرتے ہو؟''شوکت نے اس کا نام وغیرہ کاغذ پر لکھتے ہوئے پوچھا۔

''میاں نوکری کرتا ہوں پیٹ پالتا ہوں۔''

''اور دوسرے پیٹ نہیں پالتے ہیں کوئی۔جتا پوچھوں،اتا جواب دو۔''

''اچھا میاں۔''

''کس کی نوکری کرتے ہو؟''

''میاں حضور کی۔''

''ابے چونچ،کون سے حضور کی،نام بتاؤ؟''

''حضور شوکت میاں خاں جاگیردار دام جلوکم۔''

''القاب آداب رہنے دے، میں بیان لکھ رہا ہوں۔ہاں تو تم شوکت میاں خاں جاگیر کے نوکر ہو۔''

''اس میں کیا شک ہے، میاں۔''

''تم کتنے بجے سوئے تھے؟''

''میاں، گیارہ بجے۔''

''کاں سوئے تھے؟''

''برآمدے میں ہی لیٹ گیا تھا۔''

پھر کیا ہوا؟''

''وہی جو بتایا میں نے۔''

''اچھا میں لکھ لوں گا، مگر تمہاری آنکھ کتنے بجے کھلی تھی؟''

''میاں، کوئی ایک بجنے میں دس بیس منٹ ہوں گے۔''

''تو تم خواب میں گھنٹہ گھر دیکھ رہے تھے گویا۔پوائنٹ۔''شوکت اسے گھورنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں، میاں۔''

''ابے سراغرسانی کا پوائنٹ۔تم کو سوتے میں ٹائم کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟''

''میاں، میں نے تو اندازہ بتایا ہے۔''

''بیان میں کائے کا اندازہ، کوئی سالے تم وہ ہوبانی کہ ماہر ریاضت۔پوائنٹ۔''یہ کہہ کر وہ پھر اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

''اللہ قسم میاں، جھوٹ بولوں تو میرا منہ کالا ہو۔''

''کالا تو ہے ای۔خیر، تو پھر تم نے شور سنا خان صاحب کے کمرے میں؟''

Akram Allahabadi

''جیاں جیاں۔''

''اور تم دوڑ پڑے؟''

''جیاں۔''

''اور تم سالے اکیلے ٹارزن کے باپ تھے کہ دو دو سے لڑ پڑے۔ میں پوچھتا ہوں تم نے سب کو جگایا کیوں نہیں؟''

''میں نے چور چور شور مچایا تھا، میاں۔''

''پوائنٹ۔ پہلے کیوں نہیں مچایا، بعد میں کیوں مچایا؟'' وہ پھر گھورنے لگا۔

''میاں، مجھ بے گناہ پر شک کر کے آپ کو کیا مل جائے گا؟''

''اور لو سالے، یا تی مجھے خوف خدا دلانے لگے۔ چلو دور ہو ادھر۔ تم چلو، رحیم بخش۔''

شمو کی جان چھوٹی تو رحیم بخش کو آگے بڑھنا پڑا۔

غرض شوکت نے ان سب کے کچھ اسی قسم کے بیانات لیے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بے آواز فائرنگ

اسٹیٹ ہوٹل کے بالکل سامنے سڑک کے اس پار برف کا کارخانہ تھا اور اسی سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا سِلک مل تھا، جہاں رات اور دن سانچے چلتے رہا کرتے تھے۔ برف کے کارخانے میں بھی بیوپاریوں کی آمد و رفت ہر وقت جاری رہتی۔ درمیان میں چوڑی اسٹیشن روڈ ہر وقت موٹروں، تانگوں اور پیدل چلنے والوں سے آباد رہتی۔ برف کے کارخانے سے ملی ہوئی ایک زیرِ تعمیر عمارت تھی جس کے تین منزلہ حصے بن چکے تھے، لیکن ابھی ان میں دروازے کھڑکیاں نہیں لگائی گئی تھیں۔ اور دیواروں پر پلاستر بھی نہیں لگا تھا۔ یہاں کئی دن سے کام بند تھا۔ صرف ایک گورکھا چوکیداری کیا کرتا تھا۔

اس وقت جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ شام کے اوقات میں اس سڑک پر ٹریفک کافی گھنا ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی تو گاڑیوں کی آمد و رفت تک رک جاتی۔ برف کے کارخانے پر بھی اس وقت زیادہ بھیڑ رہتی اور اسٹیٹ ہوٹل اور اس کے ساتھ کے دوسرے چھوٹے ہوٹلوں پر بھی رونق بڑھ جاتی۔

اس وقت کسی نے اس سیاہ بیوک کار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جو ابھی ابھی برف کے کارخانے کے قریب رکی تھی اور کسی نے دیکھا بھی ہوگا تو وہ یہی سمجھا ہوگا کہ کوئی بیوپاری یا سلک ملز سے تعلق رکھنے والا کوئی سیٹھ ہوگا۔ کار اسی طرح چند سیکنڈ تک کھڑی رہی پھر اس میں سے دو آدمی اترے جن میں سے ایک پستہ قد کا گٹھیلے جسم والا آدمی تھا، جس نے ٹرکشن کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر مختصر سے بال تھے، آنکھیں چھوٹی اور چمکدار تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔ وہ کار سے اتر کر کنارے کنارے چلتا ہوا اس کارخانے کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ پھر وہ دروازے کے قریب ہی رک کر کسی کا انتظار کرنے لگے۔

دوسرا آدمی ایک اکہرے بدن کا پھرتیلا نوجوان تھا، جو کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے اترا تھا۔

پستہ قد آدمی نے بے چینی سے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔اس میں ٹھیک سات بج رہے تھے۔

''ابھی تک نہیں آیا کمبخت۔'' وہ بڑبڑایا۔

''بس آتا ہی ہوگا۔'' دوسرے نے سڑک پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ایک سفید پوش بیرا جو اسٹیٹ ہوٹل کے دروازے سے نکلا تھا اسی طرف آرہا تھا۔وہ سیدھا کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔وہ دونوں خود ہی اس کے قریب آگئے۔

''وہ جو پہلی منزل پر تیسری کھڑکی نظر آرہی ہے، وہی غسل خانہ ہے۔زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں وہ غسل خانے میں داخل ہوگا۔'' بیرا یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ان دونوں نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئے۔

''تم کار میں بیٹھو، بالکل تیار۔'' پستہ قد آدمی نے نوجوان سے کہا۔''اور اسے اسٹارٹ رکھنا۔''

''اوکے۔'' وہ یہ کہہ کر کار کی طرف چل دیا اور پستہ قد آدمی کمپاؤنڈ کی دیوار کی اوٹ سے چلتا ہوا کارخانے میں جانے کی بجائے اس زیرِتعمیر سونی عمارت میں داخل ہوگیا، جس کے بیرونی حصے کے ایک اینٹ کے چبوترے پر بیٹھا ہوا اس کا گورکھا چوکیدار اپنے گردوپیش سے غافل بیڑی پی رہا تھا۔اس کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

زیرِتعمیر عمارت کے اندرونی سیڑھیوں سے چڑھتا ہوا وہ پستہ قد آدمی اوپری منزل پر پہنچ گیا۔

اب اندھیرا اچھا چلا تھا اور سڑک کے سرکاری لیمپ پوسٹ روشن ہوگئے تھے۔

پہلی منزل پر چند بغیر دروازوں والے کمروں سے گزر کر پستہ قد آدمی سامنے والے حصے کی ایک بغیر پٹوں والی کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔اندر اس قدر تاریکی تھی کہ باہر سے کوئی اسے

دیکھ نہیں سکتا تھا۔اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے پورٹیبل اسٹین گن نکالی، اسے دو مختلف حصوں کو جوڑنے کے بعد اس میں میگزین نصب کر کے اس نے اسے لوڈ کیا اور بیگ کو نیچے فرش پر رکھ کر کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے گن پوائنٹر سے اس کھڑکی کا نشانہ لیا، جس کے بارے میں بیرا بتا کے گیا تھا۔ وہ کھلی ہوئی تھی، لیکن اندر اندھیرا تھا۔اس نے پرانی گھڑی دیکھی۔ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔اسی دھن میں کھڑے ہوئے انداز میں اس نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور ایک سگریٹ نکال کر منہ میں لگاتے ہوئے جیسے ہی اس نے لائٹر جلانا چاہا اسے خیال کچھ خیال آ گیا۔اور جلدی سے اس نے سگریٹ نیچے پھینک کر پیر سے مسل دی۔ لائٹر جیب میں ڈال کر وہ پھر پھر اطمینان کی سانس کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

دوبارہ گھڑی دیکھنے کے بعد اسے کچھ بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔اس نے نیچے جھانک کر دیکھا، اس کی سیاہ رنگ کی بیوک اسی طرح برف کے کا خانے سے قریب سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور اس کا ساتھی اس میں بیٹھا ہوا تھا۔سڑک کی طرف دیکھنے پر اس کے چہرے پر سکون کے آثار اور گہرے ہو گئے، کیونکہ آمد و رفت گھنی تھی اور کسی کی بھی توجہ اس طرف نہیں تھی۔ہوتی بھی کیوں۔وہ تو اس کا اپنا احساس تھا۔

پورے پورے دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔اس نے بیگ سے سائلنسر نکال کر اس میں فٹ کیا اور اس کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا، جہاں روشنی کا بلب روشن ہو گیا تھا، مگر پھر وہ چونک پڑا۔ایک انسانی سایہ اسے اس غسل خانے میں متحرک نظر آ رہا تھا۔وہ بدن کے اوپری حصے سے عریاں تھا۔اس کی پیٹھ کھڑکی کی طرف تھی۔

پستہ قد آدمی نشانہ لینے لگا۔غسل خانے میں نظر آنے والے آدمی کی شفاف جلد والی پیٹھ اس وقت بالکل اس کے رینج میں تھی۔اس نے ایک بار گھوم کر اندھیرے میں چاروں طرف دیکھا۔پھر چند سیکنڈ تک آہٹ لی اور دوبارہ نشانہ باندھ کر آہستہ سے بندوق کا ٹریگر دبا دیا۔

بس صرف ایک شٹ کی آواز ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اس غسل خانے میں کھڑکی

کی طرف پیٹھ کیے کھڑا ہوا آدمی اوندھا گرتا نظر آیا۔ بندوق کی نالی کو پھونک کر پستہ قد آدمی نے اس کے حصے علیحدہ علیحدہ کیے اور انھیں بیگ میں ڈال کر بند کرنے کے بعد رومال نکال کر پسینہ پونچھتا ہوا ان تاریک کمروں کو عبور کرنے لگا۔ شاید اس نے پوری طرح زینے اور راستے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اسے عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس نے دیکھا گورکھا اب فٹ پاتھ پر جا کر کسی خونچے والے سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ کمپاؤنڈ کی دیوار سے لگ کر باہر ہی باہر چلتا ہوا فٹ پاتھ پر نکل آیا اور اس کے کار میں بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ کسی نے اس کی طرف دھیان دیا اور نہ کار کی طرف۔

لیکن ایک کار ایسی بھی تھی جو اسٹیٹ ہوٹل کے پارک سے نکل کر اس وقت اس کار کے پیچھے آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اس واقعہ کو گزرے ہوئے جب تقریباً پندرہ منٹ ہو گئے اور ہوٹل کے اس بیرے کو کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تو وہ خود ہی گھبرایا ہوا سا اوپری منزل پر چڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری فکر کے آثار تھے اور کاریڈور کو طے کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کے پیر کانپ رہے تھے۔

وہ تین نمبر کے فلیٹ کے کمرے کے سامنے سے بھی گزرا، لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ دروازہ کھول کر اندر جھانک سکے۔ وہ آگے جا کر پھر رک گیا۔ پھر پلٹ کر کچھ دیر اس کمرے کے دروازے کو دیکھتا رہا۔ اب اس کے قدم آہستہ آہستہ پھر اس دروازے کی طرف بڑھے۔ اور اس نے جیسے ہی اسے آہستہ سے دھکیلا وہ کھل گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا، کمرہ سونا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے ہولے سے پکارا۔

"صاحب۔" مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

اس نے پھر سے پکارا۔ ''صاحب۔'' مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے پھر سے پکارا۔ ''صاحب۔'' مگر اس بار بھی جواب نہ ملا۔ اب وہ غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر ہی داخل ہو گیا، مگر وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و تذبذب کے آثار گہرے ہو گئے۔ اس نے غسل خانے کا دروازہ دھیرے سے بند کیا اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ تیزی سے کاریڈور طے کرتا ہوا زینے پر پہنچا ہی تھا کہ اسی محویت کے عالم میں ہوٹل کے ایک دوسرے موٹے سے بیرے سے اس کی ٹکر ہو گئی۔ وہ ایک ٹرے میں کھانا لیے ادھر ہی جا رہا تھا۔ اس بیرے نے گھور کر اسے دیکھا پھر ٹرے سنبھال کر آگے بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد ہی اسٹیٹ ہوٹل کو پولیس گھیرے ہوئے تھی اور سارے علاقے میں اس وارداتِ قتل سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ جو پہلی منزل کے کمرہ نمبر ۴ کے غسل خانے میں واقع ہوئی تھی۔ نمبر چار کا مہمان اپنے غسل خانے میں نہانے سے قبل کپڑے اتارنے کے بعد گولی لگنے سے ہلاک ہوا تھا۔ گولی اس کی پشت پر لگی تھی اور وہ اوندھا گر پڑا تھا۔ جس سے پولیس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوا کہ گولی اس کھلی کھڑکی کے راستے اس کی پیٹھ پر لگی ہو گی اور اس طرح وہ یقیناً سامنے سڑک پار کی کسی متوازی اونچائی سے چلائی گئی ہو گی۔ کمرہ نمبر ۴ کا غسل خانہ، نمبر ۳ کے غسل خانے سے ملا ہوا تھا، اور دونوں کی کھڑکیاں بالکل قریب قریب تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

سیاہ بیوک کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور اس کا تعاقب کرنے والی دوسری گاڑی اس سے تقریباً سو گز پیچھے تھی۔ شہر کی سڑکوں پر اس تعاقب کا احساس شاید کسی کو نہ ہوتا، لیکن شہر سے نکل کر اگلی کار جب لال گھاٹی کی ڈھلوان پر دوڑنے لگی تو پیچھے آنے والی کار پر اس کے چلانے والے کو شبہ ہو گیا۔ اس نے ڈھلوان سے اترتے ہی کار کی رفتار اور تیز کر دی جس

کے ساتھ ہی اس کا تعاقب بھی اور تیز کر دیا گیا۔

تقریباً ڈیڑھ دو میل چل کر اگلی گاڑی کی رفتار دھیمی پڑنے لگی۔ اور پھر وہ ایک سڑک کے کنارے بنی ہوئی ایک آدھ کچی عمارت کے قریب جھٹکے سے رک گئی۔ یہ چنگی کی مضافاتی چوکی تھی۔ ایک سپاہی اور ناکیدار بڑھ کر قریب آ گئے، مگر جب انھوں نے کار میں بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھا تو ناکیدار اور جھک کر سلام کرنے لگا۔

''میاں، آپ؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں، میں ذرا جلدی میں ہوں۔ اور دیکھو، پیچھے جو گاڑی آ رہی ہے، اسے کسی طرح بھی زیادہ دیر روکنے کی کوشش کرو۔'' یہ کہتے ہوئے پستہ قد آدمی نے جیب سے دس روپے کے دو نوٹ نکال کر ایک اس کی طرف بڑھا دیا اور ایک سپاہی کی طرف۔

''اس کا تو باپ بھی رکے گا، میاں۔ آپ اطمینان رکھو۔'' ناکیدار نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

بیوک کار پھر اسٹارٹ ہو کر فراٹے بھرنے لگی، مگر پیچھے والی کار کو اس کسٹم بیئر پر رکنا پڑا۔

''کیا بات ہے؟'' اندر سے ایک بوڑھے سے آدمی نے سر نکال کر پوچھا۔

''گاڑی کی تلاشی لی جائے گی۔'' ناکیدار بولا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' بوڑھے نے سوال کیا۔

''قانون قانون ہے، جناب۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا کیا اب بھی ضروری ہے؟'' جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر بوڑھے نے انھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔

''میاں، آپ ایسا کرو کہ ہم دونوں کو دھکا مار کر گرا دو۔ ہمیں قسم کھانے کو ہو جائے

گا۔'' ٹاکیدار نے جلدی سے نوٹ لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے اتنی فرصت نہیں ہے۔تم خود ہی گر جاؤ۔'' یہ کہہ کر اس نے کار آگے بڑھا دی۔

وہ دونوں واقعی وہیں سڑک پر گر پڑے اور پھر اٹھ کر شور مچانے لگے، لیکن ان کے شور کا اشارہ اس گاڑی کی طرف ہرگز نہیں تھا۔

لیکن تعاقب کرنے والی گاڑی کو آگے جانے والی کار کہیں نظر نہ آسکی۔خدا جانے اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

کھجور میں اٹکے

بالے کی جب آنکھ کھلی تو اسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس اندھیرے میں کچھ دیر تک ادھر ادھر گھورتا رہا، تب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ ایک تنگ و تاریک سی کوٹھری میں قید ہے۔ وہ یہاں کیسے پہنچا؟ اس کا دماغ سوچنے لگا۔

پھر اسے یاد آ گیا کہ رات وہ کسی شہزادی کی عشرت گاہ میں تھا۔ وہ مناظر کسی فلم کی طرح اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔ اسے شہزادی کی آوارگی یاد آ گئی۔ وہ اس وقت ہوش میں تھا، جب وہ اس سے لپٹ رہی تھی، لیکن اگر وہ خود کو نشے میں بالکل مدہوش ثابت کرنے کے لیے بن کر لیٹ نہ جاتا تو خدا جانے کیا کچھ نہ ہو گیا ہوتا۔ اس نے اس طرح خود کو کسی کی ہوش کا شکار ہونے سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ ویسے وہ مرد تھا اور ایسے موقعہ پر اس کے جذبات کا بھی بھڑک اٹھنا بھی ایک فطری بات تھی، لیکن وہ آڑے آ گئی، جو ہمیشہ بدچلن لڑکیوں کی طرف سے اس کے دل میں جاگزیں رہتی۔ وہ تفریح پسند ضرور تھا اور محض تفریحی نقطۂ نظر سے روز روز اپنی محبوبائیں بھی بدلتا رہتا، لیکن اس قسم کی عورتوں اور لڑکیوں سے اسے سخت نفرت تھی جو جنسی بھوک میں دیوانگی کی حد تک پہنچ جائیں۔ رات اسی اداکاری نے اس کی جان بچائی تھی، لیکن بعد میں وہ بیہوشی کی ایکٹنگ کرتے کرتے سو بھی گیا اور اب جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو یہاں پایا۔ اسے صرف اتنا ہوش ضرور تھا کہ جب اس پر بے طرح غنودگی طاری ہو رہی تھی، کوئی اس سے لپٹا ہوا تھا۔ شاید وہ آوارہ شہزادی۔

نہ جانے کب تک وہ یہی سوچتا رہا، پھر اس نے چونک کر اپنی جیبیں ٹٹولیں، ان میں کچھ بھی نہ تھا۔ کیونکہ ابھی تک وہ شہزادوں جیسے لباس میں ہی تھا۔ پھر وہ اندھیرے میں ہی اس کمرے کی دیواریں ٹٹولنے لگا۔ بند دروازے پر اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس نے اسے دھکیل کر

دیکھا۔ وہ باہر سے مضبوطی سے بند تھا۔ پھر اس کی نظریں چھت کے قریب بنے ہوئے روشندان پر اٹھ گئیں۔ اس کے باہر بھی اندھیرا تھا، اس لیے وہ اسے پہلے صاف نظر نہ آیا تھا، لیکن وہ اتنا اونچا تھا کہ اس تک پہنچنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس کمرے میں اور کوئی کھڑکی یا دروازہ نہ تھا۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازے کے قریب ہی دبک گیا۔

کوئی دروازہ کھول رہا تھا، لیکن بہت آہستہ آہستہ۔ پھر اسے دروازے کی کھلتی دراز سے روشنی اندر آتی دکھائی دی۔ دروازے کے کھلتے ہی بالے نے تیزی سے آڑ سے نکل کر اس کی گردن دبالی۔

''اوئی اللہ مرگئی۔'' اسے ایک نسوانی آواز سنائی دی اور اس نے گھبرا کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

آنے والی نے دروازہ پھر اندر سے بند کرلیا۔ بالے نے اندھیرے میں اسے گھورنے لگا۔ اسے اس کی صورت صاف نظر نہ آسکی، مگر وہ یہ اندازہ کیے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ ایک گداز جسم والی کوئی گورے رنگ کی جوان عورت یا لڑکی ہے۔

''کون ہو تم؟'' بالے نے خود ہی اس سے سوال کر ڈالا۔

''پہلے تو بہت کچھ تھی، مگر اب کچھ بھی نہیں ہوں۔'' وہ بولی۔

''کیا مطلب؟''

''تمہیں بچانے کے لیے میں نے اپنے آپ سے بھی بغاوت کی ہے۔''

''اوہ، شہزادی۔'' بالے نے اس کی لرزتی آواز پہچان لی۔

''ہُم۔'' وہ کنگناتے لہجے میں بولی۔

''مجھے یہ کس قصور کی سزا دی گئی ہے؟''

''کاش میں بتا سکتی، لیکن وقت بہت کم ہے، سویرا ہوتے ہی اگر یہ راز نہ کھل گیا تو

اس کے بعد کسی وقت بھی کھل جائے گا اور تم جہاں بھی ہو گے مارڈالے جاؤ گے۔"

"وہ کیوں؟"

"ملکہ کا حکم یہی ہے۔"

"تو کیا ابھی تک میں تمہاری اس خیالی دنیا میں ہی ہوں؟"

"یہ خیالی دنیا نہیں، حقیقت ہے، مگر کاش میں تمہیں بتا سکتی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ الف لیلیٰ کا تو دور نہیں ہے پھر..." بالے نے کہنا چاہا، مگر شہزادی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"گفتگو کا ابھی موقع نہیں ہے۔ ملکہ پہلے ہی حکم دے چکی ہیں کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالی جائیں گی، مگر اس سے پہلے کہ یہ راز کھلے، میں چاہتی ہوں کہ تمہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں۔"

"اچھا پہلے یہ بتا دو کہ میں یہاں مر کر پہنچا ہوں کہ زندہ زندہ؟"

"اف فوہ، تم ابھی تک ایک حقیقت کو کھیل سمجھ رہے ہو۔"

"تو پھر تم مجھے آزاد کیوں نہیں کر دیتیں؟"

"تم اس انجانے مقام سے نکل نہیں سکتے۔ یہاں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"چلو تم ساتھ دو تو یہ بھی کر دکھاؤں۔" بالے نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"تم وہ تو نہیں معلوم ہوتے جس کا اظہار تم کرتے رہے ہو۔"

"ممکن ہے۔"

"وعدہ کرو کہ جس طرح میں کہوں گی، ویسا ہی کرو گے، ورنہ تمہارے ساتھ میری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"اچھا وعدہ۔"

Akram Allahabadi

''ابھی کچھ دیر بعد ایک آدمی یہاں پہنچے گا، وہ تمہیں جہاں اور جس طرح لے جانا چاہے، اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم سے وہیں آملوں گی۔''

''اور اگر جنت کی بجائے جہنم میں لے گیا؟''

''گھبراؤ نہیں، میں تمہارے لیے وہاں بھی پہنچ جاؤں گی۔''

''میری رائے میں تمہاری شکارگاہ بہتر رہے گی۔'' بالے کے اس جملے پر وہ اچھل پڑی۔

''کیا؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

''میرا مطلب ہے وہ عشرت کدہ، جہاں مجھے جیسے شکار لائے جاتے ہیں۔''

''اوہ، تم بیوقوف بھی ہو کچھ۔ خیر میں جاتی ہوں ورنہ ملکہ کو شک ہو جائے گا۔''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' بالے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم نہیں جانتے، وہاں میرا موجود ہونا ضروری ہے۔''

''اچھا خدا حافظ۔'' بالے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مگر اس کے باہر جاتے ہی خود اپنی اس اداکاری پر ہنس پڑا۔

ابھی بمشکل پندرہ بیس منٹ ہی گزرے تھے کہ دروازے پر دوبارہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ آنے والا ایک سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ کوئی مرد ہی تھا، جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

''جلدی چلو میرے ساتھ۔'' اس نے سرگوشی کے لہجے میں بالے سے کہا۔ اور پھر دونوں باہر نکل آئے۔ کمرے کا دروازہ اسی طرح بند کر دیا گیا۔ باہر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یہ کسی قصر کی غلام گردش تھی۔ بالے نے یہ اندازہ لگا لیا کہ کچھ دیر میں پو پھٹنے والی ہے۔ وہ باہر نکل آئے۔ انھیں یہاں دو تین جگہ محافظ ملے، لیکن وہ اس طرح ان کی نظروں سے بچ کر نکلے کہ انھیں شبہ بھی نہ ہو سکا، پھر انھیں ایک تنگ و تاریک راہداری سے گزرنا پڑا، جس کے بعد وہ ایک

غار نما زمین دوز حصے میں کھڑے تھے، جس میں ایک وزنی چوبی دروازہ نصب تھا اور اس پر نوکدار آہنی کیلیں لگی تھیں ۔ یہاں بھی ایک محافظ موجود تھا، جس کی کمر سے ریوالور لٹک رہا تھا، وہ محافظوں کی سیاہ وردی پہنے تھا۔

''کمال ہے الیف لیلیٰ کے دیس میں یہ باوردی ریوالور والا کہاں سے آ ٹپکا۔'' بالے ساتھی سے دبے لہجے میں پوچھا۔

''شش۔'' اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ بالے کو ایک تاریک گوشے میں چھوڑ کر خود اس محافظ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس وقت دروازے سے ٹکا اونگھ رہا تھا، مگر نہ جانے کیوں یا شاید اس آدمی کے پیروں کی چاپ سن کر وہ چونک پڑا۔ اس کی کمر میں ایک پیٹی کے ساتھ ٹارچ بھی لٹک رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ فوراً ٹارچ پر گیا اور دوسرا ریوالور پر، لیکن اس آدمی نے محافظ کو مہلت نہ دی اور دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

بالے پہلے تو کھڑا تماشا دیکھتا رہا، پھر یہ محسوس کر کے کہ اس کا ساتھی کمزور پڑ رہا ہے، اسے بھی دخل دینا پڑا۔ اس کے دو ہی گھونسوں میں محافظ کے جبڑے ڈھیلے ہو گئے اور پھر انھوں نے اسے وہیں باندھ کر ڈال دیا۔ بالے کا ساتھی شاید اس کام کے لیے جیب میں ریشم کی ڈوریاں لایا تھا۔

''ذرا ٹھہرے رہو۔'' وہ آدمی اب بالے سے بولا۔ اور تاریکی میں ایک سمت دیکھنے لگا۔

بالے خاموش کھڑا رہا۔ ابھی بمشکل دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ انھیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے، مگر آنے والا شاید اس آدمی کے لیے خطرناک نہ تھا، کیونکہ اس کے کھنکھارنے کی آواز کے ساتھ وہ تاریک گوشے سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی اور تھا۔

Akram Allahabadi

''تم آ گئے؟'' بالے کے ساتھی نے اس سے پوچھا۔

''کہاں ہے وہ؟'' اس نے جواب میں سوال کیا۔

''وہ پڑا ہے، لیکن آج والے مہمان کا لباس اسے پہنانے سے پہلے کلورافارم سے بیہوش کر لینا۔'' اس نے ہدایت کی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اطمینان سے جاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا۔

''تم اس محافظ کی وردی پہن کر یہاں کھڑے ہو جاؤ، میں اسے لے جاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ چنانچہ اسی وقت محافظ کے کپڑے اتروا لیے گئے۔ اسے کلوروفارم لگے رومال کے ذریعے بیہوش کر دیا گیا۔ اس کی جگہ نیا آدمی کھڑا ہو گیا اور آنے والا بیہوش محافظ کو کندھے پر لاد کر جس راستے سے آیا تھا، اسی کے تاریک فاصلے میں مدغم ہو گیا۔

دروازہ قریب ہی ایک تراشیدہ پتھر میں لگے ہوئے ایک وہیل کو گھمانے سے کھلتا تھا۔ اسے کھولنے کی ترکیب بالے کے ساتھی کو معلوم تھی۔ اس لیے کوئی دقت نہ پیش آئی۔ دروازہ کھلتے ہی انھیں اندر تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بالے کے ساتھی نے جب اس تاریکی میں ٹارچ کی روشنی کی تو نشیب کی طرف اترتی ہوئی پتھریلی سیڑھیاں انھیں نظر آنے لگیں۔ یہ یا تو کسی تہ خانے کا دروازہ تھا یا کسی سرنگ کا دہانہ۔

دوسرا خیال صحیح نکلا۔ یہ ایک اتنی چوڑی سرنگ تھی جس میں سے تین چار آدمی بآسانی گزر سکیں۔ اندر بلا کی تاریکی تھی، مگر سرنگ صاف تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جلی ہوئی مشعلوں کی چراندے بالے کا دماغ پھٹنے لگا، پھر بھی وہ اس کے ساتھ چلتا رہا۔

''تم آدمی کافی طاقتور معلوم ہوتے ہو۔ دو ہی گھونسوں میں وہ ڈھیلا ہو گیا تھا۔'' بالے کے ساتھی نے چلتے چلتے کہا۔

''میں پچھلے جنم میں باکسنگ کا چمپئن تھا۔''

بالے کا ساتھی پھر کچھ نہ بولا۔ وہ اسی طرح خاموشی سے سرنگ میں چلتے رہے۔ بالے کا ساتھی کہیں کہیں رک کر آہٹ لے لیتا، لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے کسی قسم کے خطرے کا احساس ہوتا۔

اندازے کے مطابق تقریباً نصف گھنٹے تک وہ اس سرنگ میں چلتے رہے۔ اس کے بعد انھیں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہونے لگے شاید سرنگ کا یہ دہانہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن بالے کا اندازہ غلط نکلا۔ یہ ہوا کسی اوپری دروازے سے آرہی تھی، لیکن دہانہ بھی کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ وہ ایک موڑ پر گھوم کر ایک تاریک چوکور سے کمرے میں پہنچ کر رک گئے۔ یہاں بھی ایک بند دروازہ موجود تھا۔

''اس کے باہر بھی محافظ ہوگا، اس لیے میں تو دروازہ کھولتا ہوں تم نکلتے ہی اس پر جھپٹ پڑنا۔'' بالے کے ساتھی نے بالے کو ہدایت دی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دروازے کے کھلتے ہی روشنی کا عکس اندر پڑا اور بالے کی نظر اس محافظ کے سائے پر پڑی جو چوکنا ہو کر ادھر دیکھ رہا تھا۔ بالے نے دروازے سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ ایسا گرا کہ اٹھ ہی نہ سکا۔ البتہ اس کے حلق سے ایک بھیانک سی چیخ ضرور نکلی، کیونکہ اس کا سر ایک پتھر پر پڑ کر پھٹ گیا تھا۔ اب وہ ایک تہ خانے میں تھے، جس کی سیڑھیاں اوپر چلی گئی تھیں۔

''کیا یہاں بھی کوئی ہوگا؟'' بالے نے ساتھی سے پوچھا۔

''نہیں۔ یہاں عام طور پر صرف ایک ہی محافظ رہتا ہے۔ البتہ جب بزمِ عشرت یہاں جمتی ہے تو محافظ باہر تک پھیلا دیے جاتے ہیں۔ یہ دوہرا تہ خانہ ہے۔ اس کے اوپر بھی ایک تہ خانہ ہے جو ایک قصر کے اندرونی حصوں کی طرح آراستہ اور بارونق ہے۔'' بالے کے ساتھی نے بتایا۔

پھر اس نے دیوار میں لگے ہوئے ایک چوکور پتھر کو پوری طاقت سے دبانا شروع کیا۔ وہ دروازہ آپ سے آپ کھلنے لگا۔ باہر ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔ یہاں انھیں کوئی نظر نہ آیا، لیکن یہ ایک شاہانہ انداز سے آراستہ ہال تھا۔ ان کے اوپر آتے ہی نچلے تہ خانے کا دروازہ آپ سے آپ بند ہو گیا، لیکن ابھی وہ سنبھل کر کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ہال اچانک تیز روشنی سے جگمگا اٹھا اور انھیں چاروں سمت پردوں کی آڑ سے سیاہ فام آدمی نکلتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں برہنہ چمکتے خنجر تھے۔ وہ چاروں طرف سے انھیں گھیرے میں لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ وہ اگر نہتے نہ ہوتے تو شاید اس طرح بے بس نہ ہو گئے ہوتے۔

خونخوار سیاہ فام آدمیوں کا گھیرا ان کے گرد تنگ ہوتا گیا۔ ٹھیک اسی وقت مشرقی دروازے کا پردہ ہٹا اور بالے حیرت سے چونک پڑا۔ اندر داخل ہونے والی ہستی کوئی اور نہیں بلکہ بیگم خیر اگڑھ تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت کافی غضبناک نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ایک پستہ قد گٹھیلے جسم کا آدمی بھی تھا، جو گرم گرے سوٹ پہنے ہوئے تھا۔

''یعنی کہ آپ؟'' بالے ہکلانے لگا۔

''ہاں، مسٹر سارجنٹ۔ الف لیلیٰ کی اس بستی سے کوئی زندہ بچ کر نہیں جایا کرتا۔ تم نے کیا تماشا سمجھا تھا اسے۔'' پستہ قد آدمی منہ ٹیڑھا کر کے موٹی آواز میں بولا۔

''ارے تو میں کب اس جنت سے جانا چاہتا ہوں۔ ہائے ایسی حسینانِ گل اندام پھر کہاں ملینگی۔'' بالے نے بیگم خیر اگڑھ کو آنکھ مار کر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے رومان زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ مکاری اب نہ چلے گی۔''

''جو قسم جی چاہے لے لیجیے، مگر سچ تو یہ ہے کہ مجھے آپ کی تمنا تھی اور مڈبھیڑ ہوئی تو شہزادی شبو بیا سے۔ کاش آپ نے میری آنکھوں سے میرے جذبات کو پڑھنے کی کوشش کی ہوتی۔'' بالے بدستور سنجیدہ رہا، بلکہ اس نے جذباتی کیفیتیں اس نے اپنے چہرے پر اس قدر

شدت سے طاری کر لی تھیں کہ خود بیگم خیر اگڑھ کے غضبناک چہرے کی سرخی بھی کم ہوئے بغیر نہ رہی۔

''تم بھاگ رہے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''کل کا دن دیکھنا نصیب نہ ہو جو میری یہ نیت رہی ہو۔ مجھے تو بھگایا جا رہا تھا۔ آپ کی شبو بیا مجھے اپنے لیے رزرو کر لینا چاہتی تھیں اور یہ... یہ آدمی ان کا ہی پٹھو ہے جو مجھے زبردستی یہاں لایا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' بیگم خیر اگڑھ مسکرائیں۔ ''مگر میں اسی دن چونک چکی تھی، جب شکارگاہ میں میں نے تمہارے سپرنٹنڈنٹ کو میرے کتوں کے شکار کردہ ہرن کو غور سے دیکھتے دیکھا تھا۔''

''ارے آپ غلط سمجھیں۔ وہ دراصل ہرن کے کباب بڑے شوق سے کھاتے ہیں، اس لیے حسرت سے دیکھ رہے ہوں گے۔''

''مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔''

''پر کتر دیجیے گا اگر ایسا ہو، اور پھر وہ تو سنیاسی قسم کے آدمی ہیں۔ آپ مجھے ان کی عینک سے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ ہائے، میں تو ایسے عشرت کدوں کی مدت سے آرزو کیا کرتا تھا۔''

بالے کے ساتھی نے جو ابھی تک خوفزدہ کھڑا تھا، انھیں مصروفِ گفتگو دیکھ کر آہستہ سے کھسکنے کی کوشش کی، لیکن ٹھیک اسی وقت ایک سیاہ فام حبشی کا خنجر اس کے سینے میں اتر گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

''میں مستقل روگ پالنا پسند نہیں کرتی، اس لیے کیوں نہ تمہیں بھی کسی حقیقی جنت میں بھیج دیا جائے۔'' بیگم خیر اگڑھ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دیکھیے، مرنے سے پہلے مرنے والے کی کم از کم آخری خواہش ضرور پوری کر دی

جایا کرتی ہے۔" بالے نے التجا کی۔

"خیر، اپنی آخری خواہش بتاؤ۔"

"صرف ایک رات... آپ کے ساتھ۔"

"بس۔" وہ مسکرائی۔ "اچھا۔" یہ کہہ کر وہ پستہ قد آدمی کی طرف پلٹی۔ "آج کی رات یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ ان کی آخری خواہش پوری کر دی جائے۔" اس نے حکم دیا۔

"جو حکم۔" پستہ قد آدمی نے ادب سے جھک کر کہا۔

اور پھر ان کا رویہ تبدیل ہو گیا۔ بالے جب بیگم خیر گڑھ کے ساتھ چلنے لگا تو وہی خونخوار خادم اس کے سامنے بھی ادب سے جھک گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اجنبی

شوکت کی شکل پر بارہ بج رہے تھے۔ بالے کی موت کا جو صدمہ تھا، وہ تھا ہی، لیکن ایک تو خان کی گمشدگی دوسرے کل رات والی واردات نے اسے اور پریشان کر دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ برآمدے میں بیٹھا احاطے کے دروازے کو گھور رہا تھا۔ پاس ہی اس کی شکاری بارہ بور رائفل دیوار سے ٹکی رکھی تھی۔ ملازموں کو ہدایت تھی کہ وہ بھی چوکنا رہیں۔

احاطے کے دروازے میں ایک ٹیکسی کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس کا ہاتھ بارہ بور پر پڑ گیا۔ اسے یاد آ گیا کہ ایسے موقعوں پر کسی اجنبی کو روکنے کے لیے کرفیو آرڈر کے زمانے میں فوجی اور پولیس والے ایک کاشن استعمال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بندوق سیدھی کر کے وہ بھی چیخ اٹھا۔

"ہاٹ ہو کم دیار۔"

گاڑی بہر حال برآمدے کے قریب آ کر ہی رکی۔ اس میں سے اترنے والا ایک بوڑھا آدمی تھا جو اوسط قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ شوکت نے بندوق نہیں جھکائی۔ وہ اسے گھورنے لگا۔

"آپ کی تاریف؟" وہ اسے غور سے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ بوڑھا آدمی سیدھا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"ارے ارے، اٹھو میاں، یہ کوئی باپ کا گھر ہے۔ یانی کہ سلام نہ دعا اور بیٹھ گئے پیر پسار کے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" بوڑھا مسکرایا۔

"اے لو، گھر میرا اور رواب (رعب) آپ کا۔"

''تم نے مجھے پہچانا نہیں؟''

''میں تمہاری اگلی پچھلی سات پشتوں میں سے بھی کسی کو نہیں پہچانتا۔''شوکت نے برا سا منہ بنایا۔

''خیر یہ گدھا پن چھوڑ دو، میں خان ہوں۔''

''ارے جاؤ، بڑے میاں، کسی اور کو بنانا۔خان صاحب ایسے ہوتے ہیں بھلا۔میں کوئی وہ یانی کہ بیوقوف ہوں۔''

جواب میں بوڑھے نے اپنی نقلی مونچھ نکال کر اسے غور سے شکل دیکھنے کو کہا اور شوکت ایک دم اچھل پڑا۔

''ارے اللہ قسم،تو یانی کہ آپ زندہ ہیں۔اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔میں تو سوا روپے کی مٹھائی بانٹوں گا،مگر بالے بھائی؟''

''فضول باتیں چھوڑو، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

''کہیے کہیے، میں سر آنکھوں کے بل کروں گا۔''شوکت نے انتہائی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

''تم ابھی سپرنٹنڈنٹ رام سنگھ کے پاس جاؤ۔''

''جیاں اسے بھی اس خبر سے بھوت خشی ہوگی۔''

''عقل کی باتیں کرو ذرا۔بس جس قدر میں کہوں اتنا ہی کرنا ہے۔''

''اچھا کہیے۔''

''ان سے کہو کہ خان صاحب نے دہلی سے بیگم خیر اگڑھ کو گرفتار کرنے کی اجازت ٹرنک کال سے لے لی ہے،وہ صبح سویرے ہی انھیں چھاپا مار کر گرفتار کرلیں گے۔''خان نے کہا۔

''مم...مگر بیگم خیر اگڑھ کو ئے کو،اس بیچاری نے کیا کیا ہے؟''شوکت حیرت سے بولا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ بس صرف اتنا ہی اس سے کہنا،اس سے زیادہ ایک لفظ بھی کہا

تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''تو یہ بھی بولوں کہ خان صاحب نے ایسا کہا ہے؟''

''رہے نہ چغد کے چغد۔''

''بالے بھائی بھی تھے۔''شوکت سے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ خان کا بہت ادب کرتا تھا، اس لیے اسے کچھ ایسا ہی جواب دیا۔

''تم اپنی طرف سے یہ بولو گے۔ ساتھ ہی بیگم خیرا گڑھ کی ہمدردی بھی جتانا۔''

''مجھے تو ان سے ... وہ یانی کہ شبو بیا کا درد ہے بس۔''شوکت نے شرما کر کہا۔ مگر خان جواب دیے بغیر اٹھا اور برآمدے سے اترنے لگا۔

''اور ہاں، تمہارے نوکروں کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ میں کون تھا۔''خان نے چلتے چلتے اسے ہدایت کی اور شوکت نے گرگٹ کی طرف گردن ہلا دی۔

☆☆☆☆☆☆

شوکت کی زبانی یہ خبر ملتے ہی ایس پی رام سنگھ چونک سا پڑا، لیکن اس حیرت کا اظہار اس نے شوکت پر نہ ہونے دیا اور شوکت جیسے سپاٹ آدمی کے لیے یہ ممکن بھی نہ تھا کہ کسی کے بشرے کے تاثرات کو سمجھ سکے۔ اس نے شوکت کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ میں خود خان صاحب سے مل لوں گا اور شوکت کچھ نہ سمجھ کر باہر آ گیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ کچھ بے چین سا نظر آ رہا تھا۔ شوکت کے باہر جاتے ہی وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے فون کا رسیور اٹھایا، مگر پھر کچھ سوچ کر اسے رکھ دیا۔ اس نے پی کیپ اٹھا کر سر پر رکھا اور آفس سے نکل کر سیدھا سیڑھیاں اترتا ہوا اپنی کار کی طرف چل دیا۔ انسپکٹر اور ماتحت عملی اسے دیکھ کر اٹینشن ہو گیا۔

اس کی کار کوتوالی کے کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ اس نے ڈرائیور کو بھی نہیں بلوایا، خود ہی اسٹیرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

جس وقت سپرنٹنڈنٹ کی کار ویران سیوینا کے علاقے میں داخل ہوئی تو سوائے جنگلی جانوروں اور حشرات الارض کی آوازوں کے ایک گہرا سکوت چاروں طرف مسلط تھا۔ اس کی کار بارہ دری کے کمپاؤنڈ کے دروازے میں داخل ہوگئی۔ اس نے ہیڈ لائٹس بجھادی تھیں۔ کار کو ایک تاریک گوشے میں کھڑی کر کے وہ محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھ دیکھ کر بارہ دری کی طرف بڑھنے لگا۔ بارہ دری تاریک اور ویران پڑی تھی۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ رکا اور چاروں طرف کی سن گن لینے کے بعد وہ پنجوں کے بل برآمدے میں چلتا ہوا ایک محرابی دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ دروازہ مقفل تھا اور قفل زنگ آلود ہو چکا تھا۔ اس دروازے کے پاس ہی دیوار میں ایک بند کھڑکی تھی جسے پلاسٹر سے بند کیا گیا تھا۔ شاید اسے محض خوبصورتی کے لیے بنایا گیا ہوگا۔ اس کے سامنے بارہ دری کے ستون میں مور کے چار سرتراشیدہ لگے ہوئے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ نے پنجوں کے بل اونچے اٹھ کر ایک سر کو پوری طاقت سے اندر کی طرف دھکیلا، جس کے ساتھ ہی بند کھڑکی کی دیواریں غائب ہوگئیں اور تاریک خلا نظر آنے لگی۔ سپرنٹنڈنٹ نے جیب سے ٹارچ نکال کر اندر تین بار روشنی ڈالی اور خاموشی سے وہیں ٹھہر کر اس کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی بمشکل چند سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ اسے اس خلا میں روشنی نظر آئی اور پھر وہی پستہ قد آدمی اندر کی سمت سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔

''اوہ، آپ۔'' اس نے سپرنٹنڈنٹ کو دیکھتے ہی کہا۔

''ہاں۔ مجھے بیگم صاحبہ سے ابھی ملنا ہے، اسی وقت۔'' ایس پی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس وقت تو وہ عشرت گاہ میں ہیں۔'' پستہ قد آدمی نے کہا۔

''یہ ملاقات بہت ضروری ہے، بہت۔'' سپرنٹنڈنٹ نے پریشان ہو کر کہا۔

Akram Allahabadi

''اچھا میں خبر کرتا ہوں، آپ اندر آ جایئے۔'' وہ پستہ قد آدمی پیچھے ہٹ کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ اس خلا میں غائب ہو گیا اور کھڑکی کی دیوار برابر ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت، موت کی مٹھی میں

بیگم خیر اگڑھ بالے سے کہہ رہی تھی۔

''تم مجھے بہت پسند ہو، میں تمہیں ایک رات کی زندگی اور بخشتی ہوں۔''

''مگر مجھے تو آپ سے عشق ہو گیا ہے، میں آپ کے لیے دوبارہ جنم لوں گا۔'' بالے نے مصنوعی سرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''شاید میں تمہیں زیادہ موقع بھی دے سکوں۔'' بیگم خیر اگڑھ نے جو اس وقت شراب کے ہلکے سرور میں تھی، اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ مگر اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دینے لگی۔ ''کون بدتمیز ہے یہ؟'' بیگم نے حلق کے بل چیخ کر کہا۔

''نیاز۔'' باہر سے دبی سی آواز آئی۔

''کیا کام ہے؟''

''بہت خاص بات ہے، حضور، جلدی تشریف لائیے۔''

''اوہ، کیسے بیہودہ لوگ ہیں یہ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جانِ من، میں ابھی آئی۔'' اس نے بالے کے گال پر تھپکی مار کر کہا اور مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف چل دی۔

''ہائے، پھر کہیے نا ایک بار۔''

لیکن بیگم کے نکلتے ہی وہ نشست سے اٹھا اور خلوت کدے کی پچھلی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ اس طرف سنگِ مرمر کی جالی کھڑکی میں لگی تھی۔ اس نے گھونسا تانا، پھر کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک بھرپور گھونسا اتنی طاقت سے جالی پر مارا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ اس نے کھڑکی میں اتنا خلا پیدا کر لیا کہ وہ اس میں سے نکل سکے، لیکن جیسے ہی وہ باہر کودا، اسے محسوس ہوا جیسے اس کے گلے

میں پھندا پڑ گیا ہو، وہ ایک طاقتور سیاہ فام حبشی تھا جس نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ بالے نے اس کے پیٹ میں گھٹنا اس زور سے مارا کہ وہ 'اوغ' کی آواز حلق سے نکال کر وہیں دہرا ہو گیا۔ لیکن اتنی دیر میں دو دوسرے سیاہ فام آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تنہا تھا اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ان کی گرفت میں پھنس گیا۔ انھوں نے اس کی مشکیں کس لیں اور شور مچانے لگے۔ شور کی آواز سن کر بیگم خیر اگڑھ خود آ پہنچی۔

''حضور، یہ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''اوہ، تمھیں تو مجھ سے عشق ہو گیا تھا نا؟'' بیگم خیر اگڑھ نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''وہ ٹمپریری تھا۔'' بالے نے ڈھٹائی سے کہا۔

''تمہارا وہ سپرنٹنڈنٹ دہلی سے میری گرفتاری کے آرڈر لایا ہے۔ دیکھتی ہوں کہ کون میرا بال بیکا کر سکتا ہے۔''

''میرا باس قطعی نامعقول ہے، جو آپ جیسی قلوپطرہ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔'' بالے کے لہجے میں طنز تھا، بیگم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''اسے میرے شکاری کتوں کے حوالے کر دو۔'' بیگم نے ان حبشیوں کو حکم دیا۔ ''اور اس کی لاش کو بارہ دری کے باہر لے جا کر ریلوے لائن پر پھینک دینا۔ تمھیں باہر کے راستے سے آنا پڑے گا، یہ بارہ دری آج سے ہمیشہ کے لیے بند کی جا رہی ہے۔ اور اس کی سرنگ بھی میرے جانے کے بعد اڑا دی جائے گی۔'' بیگم نے دوسرا جملہ اس پستہ قد آدمی کی طرف گھوم کر کہا۔ جو سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ اس کے پیچھے آ کر ادب سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم نے مجھے قلوپطرہ کہا ہے نا؟ بے شک میں اپنے دور کی قلوپطرہ ہوں۔ اگر میری بہن مجھ سے غداری نہ کرتی تو شاید یہاں تک نوبت نہ آتی۔ خیر تم دیکھ لو گے کہ قلوپطرائیں اپنے کھولوں سے کھیل کر انھیں کس طرح توڑ دیا کرتی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹی ہی تھی کہ ان دو سیاہ

فام خادموں میں سے ایک پلٹ کر سامنے آ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے جو اس نے ابھی اپنی کمر سے نکالے تھے۔

''لیکن بعض کھلاڑی قلوپطراؤں کو بھی توڑ پھوڑ دیا کرتے ہیں، بیگم خیرا گڑھ۔'' اس کے حلق سے آواز نکلی اور وہ سب بھونچکاں رہ گئے۔

''وہ مارا۔'' بالے اچھلا اور پھر اس نے اس حبشی کو جس نے اس کی گردن تھامی تھی بڑی پھرتی سے کمر پر لاد کر تیسرے حبشی پر پھینک دیا۔ ٹھیک اسی وقت باغی حبشی کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا اور نکلا اور سپرنٹنڈنٹ کا ہاتھ پیٹی تک پہنچتے پہنچتے جھول گیا۔

''مسٹر رام سنگھ، اس تکلیف کی ضرورت نہیں۔ میرے ریوالوروں میں ابھی کل تیرہ گولیاں اور ہیں، تمہارے اور بیگم خیرا گڑھ کے تمام آدمیوں کا صفایا کر سکتی ہیں۔'' وہ بولا۔

''مم... مگر... میں تو...'' رام سنگھ نے کہنا چاہا۔

''تم کہنا چاہتے ہو کہ میری مدد کو آئے تھے۔ میں نے تم جیسے نہ جانے کتنے احمق چرائے ہیں۔ میں اسی دن سمجھ گیا تھا جب پہلی بار تم سے ملا کہ تم ان عیاش بیگمات کے خزانوں سے لمبی لمبی رشوتیں لے کر ان کے عیش و عشرت کے لوازمات میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے۔ تم ہمیشہ سے جانتے رہے ہو کہ خونخوار بلاؤں والے کیسز کیا چیز تھے۔ وہ لاشیں بیگم خیرا گڑھ کے کتوں کی نوچی گئی ہوتی تھیں اور تم نے خود مجھ سے کہا تھا کہ تم توہمات پر یقین نہیں کرتے، لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس اشارے کے باوجود تم نے کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ اس روز میں نے اپنی قیامگاہ کا پتا صرف تمہیں بتایا تھا اور صرف تم سے میں اسی بدلے ہوئے بھیس میں ملا تھا تاکہ اپنے شبے کی تصدیق کر سکوں اور پھر جب میرے دھوکے میں وہ روم نمبر ۴ کا مہمان مارا گیا تو تمہاری شخصیت واضح طور سے میری سمجھ میں آ گئی۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ چیخا۔

''یہ سچ ہے۔ ہوٹل کا وہ بیرا جو تمہارا آلہ کار تھا، جو اس پستہ قد شیطان سے برف کے

کارخانے میں آکر ملا تھا، میرے قبضے میں ہے۔ وہ سب قبول چکا ہے۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں نہیں، ہوٹل کے باہر اپنی کار میں موجود تھا، جب روم نمبر ۴ کے مہمان پر گولی چلائی گئی۔ اس آدمی کی بندوق میں سائلنسر نہ لگا ہوتا تو شاید تمہارے ان لوگوں کو فرار ہونے کا بھی موقع نہ ملتا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ یہ ناکام لوٹ رہے ہیں، کیونکہ میرے غسل خانے میں جانے کا وقت گزر چکا تھا۔ خیر، تم لوگوں کے ہاتھ تو ایسے لاتعداد انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ چلو، ادھر ہٹو، ہاتھ اٹھاؤ۔" وہ گرجتا رہا اور بے بسی سے وہ بے حس و حرکت کھڑے سنتے رہے۔

"تو تم... یانی آپ... سپرنٹنڈنٹ خان..." ایس پی بس اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس کا نام سن کر بیگم خیرآگڑھ بھی چونک پڑی۔

لیکن ٹھیک اسی وقت ہال کی کھڑکی کھلی اور کھڑکی پر ایک سایہ نمودار ہوا۔ پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔ یہ بیگم خیرآگڑھ کے شکاری کتے تھے۔ ان میں سے پہلا تو جست مار کر اتنی تیزی سے خان پر آیا کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ بس یہی خیریت ہوئی کہ کتے کے دانتوں میں خان کے گلے کی جگہ اس کی کلائی پڑ گئی۔ وہ اسے چبا ڈالنا چاہتا تھا کہ خان نے پوری طاقت سے پستول کا دستہ اس کے سر پر جڑ دیا۔ کتا اچھل کر دور جا گرا، لیکن یہ مہلت کافی نہ تھی، اتنی دیر میں دوسرا اس پر جھپٹ چکا تھا۔ دو کتوں نے بالے کو گھیر لیا تھا۔ وہ انھیں ڈاج دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ خان کے ایک ہاتھ سے ریوالور جا گرا تھا اور ایس پی کیونکہ الٹے ہاتھ سے ریوالور نہیں نکال سکا، اس لیے اسی پر جھپٹ پڑا، لیکن ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور خان کی گردن تک پہنچنے والا کتا اچھل کر فرش پر آ رہا، دوسرا فائر ہوا اور ایس پی پیر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا، تیسرا فائر ہوا اور بالے کو گھیرنے والے کتوں میں سے ایک وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا پلٹ کر فائر کرنے والے پر جھپٹا تھا کہ خان نے اپنا ریوالور اٹھا کر کتے کی کھوپڑی اڑا دی۔

بالے سنبھل کر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ شبو تھی، اس وقت وہ پہلے سے کہیں زیادہ

حسین معلوم ہو رہی تھی اور شوکت اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

''ارے بالے بھائی، تم زندہ ہو۔ یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر۔'' شوکت یہ کہتا ہوا دوڑ کر بالے سے لپٹ گیا اور اس کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔

''یہ کیا کر رہی ہے تو پگلی؟'' بیگم خیر اگڑھ اپنی بہن پر چیخی۔

''میں ٹھیک کر رہی ہوں۔ میری آنکھیں اب کھل چکی ہیں۔ میں... میں بہت بُری ہوں اور مجھ سے زیادہ بُری تم ہو۔ تم نے مجھے اس عیاشی کی گندی زندگی کے راستے پر ڈالا۔ تم نے... شیطان۔'' یہ کہتے ہوئے شبو نے بے دریغ بیگم خیر اگڑھ پر فائر جھونک دیا، گولی سینے پر لگی اور وہ زمین پر لڑھک گئی۔

''ارے ارے۔'' بالے یہ کہتا ہوا شبو کی طرف دوڑا ہی تھا کہ ایک فائر اور ہوا اور شبو کے سر کے چیتھڑے ہو گئے۔ یہ فائر اس نے ریوالور اپنی کنپٹی پر لگا کر کیا تھا۔ وہ تڑپ بھی نہ سکی۔

☆☆☆☆☆☆

تیسرے دن خان اور بالے ایس پی رام سنگھ اور دوسرے مجرموں کو یہاں کی پولیس کے سپرد کر کے فرنٹیئر میل سے واپس لوٹ رہے تھے۔ شوکت ان کے ساتھ تھا اور دونوں ہاتھوں سے کان تھام تھام کر اپنے گال پیٹ رہا تھا۔

''اللہ بچائے ایسی قلوپطراؤں سے۔'' یہی اس کی رٹ تھی۔

اور بالے کہہ رہا تھا۔ ''صبر کرو، اللہ اور دے گا۔''

خان خاموش تھا، لیکن اس کی نظر اخبار کی اس رپورٹ پر تھی جس میں ان کے اس شاندار کارنامے کو اس اسٹیٹ کے لیے ایک ایسی ناقابلِ فراموش یادگار لکھا گیا تھا جو یہ مشہور سراغرساں اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہے تھے۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi